اجزاءِ انسانی کا عطیہ

اشرف عباس قاسمی

ایفا پبلی کیشنز۔ نئی دہلی

نام کتاب: اجزاء انسانی کا عطیہ
مؤلف: اشرف عباس قاسمی (دار العلوم دیوبند)
کمپوزنگ:
صفحات: ۱۴۸
قیمت :

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱–ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی–۱۱۰۰۲۵

فہرست مضامین

باب اول :اجزاء انسانی کا عطیہ	۱۳
فصل اول	۱۵
موضوع کی وضاحت	۱۵
اسلام میں عطیہ کی اہمیت	۱۸
اجزاء انسانی کے سلسلہ میں اسلامی تصور	۱۹
قدیم کتب فقہ میں عضو انسانی کے عطیہ کا تذکرہ	۲۲
فصل ثانی	۲۴
اجزاء انسانی کے عطیہ کے سلسلہ میں عرب علماء کے اقوال	۲۴
معاصر عرب علماء جو تحریم کے قائل ہیں	۲۴
عدم جواز کے دلائل	۲۷
دلائل کا عمومی تجزیہ	۳۶
اجزاء انسانی کے عطیہ کی وصیت غیر معتبر ہے	۳۷
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ	۴۳
جواز کے قائل علماء	۴۳
قائلین جواز کے دلائل	۴۴
پہلی دلیل: آیت کریمہ	۴۴

ردنمبر(۱)	۴۵
ردنمبر(۲)	۴۶
ردنمبر(۳)	۴۶
دوسری دلیل: حدیث پاک	۴۶
ردنمبر(۱)	۴۷
ردنمبر(۲)	۴۸
تیسری دلیل: دیت کی نصوص	۴۸
ردنمبر(۱)	۴۸
ردنمبر(۲)	۴۹
ردنمبر(۳)	۴۹
ردنمبر(۴)	۴۹
چوتھی دلیل: ہدایہ کی عبارت	۵۰
رد(۱)	۵۰
رد(۲)	۵۰
پانچویں دلیل	۵۱
رد	۵۱
شرائط جواز	۵۱
فصل ثالث	۵۳
علماء برصغیر کے فتاوی	۵۳

مفتی نظام الدین صاحب کا فتوی	۵۳
مفتی ظفیر الدین صاحب کا فتوی	۵۴
مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی کا فتوی	۵۶
مفتی عبدالعزیز صاحب (مظاہر العلوم) کا فتوی	۵۶
مفتی عبدالرحمن صاحب (شاہی مرادآباد) کا فتوی	۵۶
مفتی برہان الدین سنبھلی (ندوہ لکھنؤ) کا فتوی	۵۷
مفتی وجیہ الدین (رامپور) کا فتوی	۵۸
علماء پاکستان و بنگلہ دیش کا فتاوی	۵۸
فصل رابع	۶۱
فقہی اکیڈمیوں کے فیصلے	۶۱
جدہ انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی کا فیصلہ	۶۱
مکہ مکرمہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ	۶۳
اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ	۶۴
باب دوم :مختلف قسم کے طبی بینک	۶۵
فصل اول	۶۷
خون کا بینک	۶۷
تعریف	۶۷
قیام کا پس منظر	۶۸
دنیا کا پہلا بینک	۶۹

ہندوستان کی صورت حال	۶۹
خون کے بینک کے نقصانات	۷۰
خون کے بینک کا حکم	۷۲
دلائل جواز	۷۴
خون کے عطیہ پر انعام واکرام کا حکم	۷۵
فصل ثانی	۷۸
دودھ بینک(Milk Bank)	۷۸
دودھ بینک کی تعریف	۷۸
دنیا کا پہلا دودھ بینک	۸۰
ہندوستان کی صورت حال	۸۰
دودھ بینک کے نقصانات	۸۰
شرعی نقطہ نظر سے	۸۰
صحت کے نقطہ نظر سے	۸۱
معاشرتی نقطہ نظر سے	۸۱
معاشی نقطہ نظر سے	۸۲
اخلاقی نقطہ نظر سے	۸۲
انسانیت کے نقطہ نظر سے	۸۲
دودھ بینک کا حکم	۸۳
جدہ فقہ اکیڈمی کی تجویز	۸۳

عدم جواز کے دلائل	۸۴
دودھ بینک سے حرمت رضاعت کا ثبوت	۸۵
فصل ثالث :مادۂ منویہ کے بینکر (Sperm Bank)	۸۸
تعریف	۸۸
منی بینک کے قیام کا پس منظر	۸۹
بانجھ پن کے اسباب	۸۹
دنیا کا پہلا منی بینک	۹۰
منی بینک کے نقصانات	۹۱
منی بینک کا حکم	۹۲
مصنوعی بارآوری ٹسٹ ٹیوب کا مسئلہ	۹۲
فصل رابع	۹۶
آنکھ بینک (Eye Bank)	۹۶
تعریف	۹۶
پہلا آئی بینک اور ہندوستان کی صورت حال	۹۶
آئی بینک کے نقصانات	۹۷
آنکھ بینک کا حکم	۹۷
فصل خامس	۹۸
کھال بینک (Skin Bank)	۹۸
تعریف	۹۸

قیام کا پس منظر اور پہلا بینک	۹۸
کھال بینک کے نقصانات	۹۹
اسکین بینک کا حکم	۹۹
مزید شرائط جواز	۱۰۰
جواز کے دلائل	۱۰۱
عدم جواز کے دلائل	۱۰۳
اعضاء کی پیوند کاری	۱۰۵
پلاسٹک سرجری کی حقیقت	۱۰۷
ایفاء کے فیصلے کی دفعات کی تشریح	۱۰۷
باب سوم : اعضاء انسانی کی تجارت، افسوس ناک صورت حال	۱۲۳
زبردست انسانی المیہ	۱۲۵
برطانیہ کے نصف سے زائد ہسپتالوں میں اعضاء کی چوری	۱۲۵
امریکہ میں کوما میں چلے گئے مریضوں کا قتل	۱۲۶
پس ماندہ اور جنگ زدہ ممالک میں اعضاء نکالنے کا سلسلہ	۱۲۷
البانیہ کی صورت حال	۱۲۷
بوسنیا کی صورت حال	۱۲۷
بلقان کے باشندے پانچ ہزار یورو میں گردہ بیچ دیتے ہیں	۱۲۸
اٹلی، بچوں کے اعضاء چرانے والوں کی پناہ گاہ	۱۲۸
چین میں موت سے قبل ہی اعضاء نکالنے کا انکشاف	۱۲۹

ارجیٹنا میں اعضاء کے لئے ہزاروں مریضوں کو مار دیا گیا	۱۳۰
باب چہارم :خلاصہ بحث	۱۳۱
خلاصہ بحث	۱۳۳
کتابیات	۱۴۶

باب اول

اجزاء انسانی کا عطیہ

پہلی فصل:

موضوع اور اس کے متعلقات

دوسری فصل:

عرب علماء کے اقوال

تیسری فصل:

علماء برصغیر کے فتاوی

چوتھی فصل:

فقہی اکیڈمیوں کے فیصلے

فصل اول:

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد الأنبياء و المرسلين، محمد و آله و صحبه أجمعين، أما بعد!

''اجزاء انسانی کا عطیہ'' ایک طویل الذیل موضوع ہے جدید میڈیکل سائنسی ترقیات اور نت نئے تجربات نے کئی ایسے پہلوؤں کو جنم دیا ہے جن پر کتاب وسنت، فقہاء کرام کے ذکر کردہ قواعد وضوابط اور مسائل وجزئیات کی روشنی میں غور وفکر کر کے صحیح راہ عمل متعین کرنے کی اشد ضرورت ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس ضرورت کو محسوس کیا، اور اس موضوع پر باضابطہ سمینار کے انعقاد کے علاوہ بندے کو اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر شرعی نقطہ نظر واضح کرنے کا مکلف بنایا، میں اکیڈمی کے موقر ذمہ داران کا شکر گزار ہوں جن کے تعمیل ارشاد میں اس اہم موضوع پر خامہ فرسائی کی سعادت نصیب ہو رہی ہے، اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ پاک اپنی خاص نصرت واعانت شامل حال فرمادیں اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ صحیح نہج پر دین متین کی خدمات کی توفیق ارزانی کریں۔ آمین۔

موضوع کی وضاحت:

اجزاء یا اعضاء انسانی میں عموم ہے، خواہ عضو کامل ہو جیسے گردہ اور جگر وغیرہ یا عضو کا جزو ہو جیسے آنکھ کا قرنیہ، یا وہ نسیج یا خلیے ہوں جیسا کہ خون اور ہڈی کے گودے کی صورت میں ہوتا ہے، غرضیکہ یہاں عضو سے مراد انسان کے نسیجوں، خلیوں اور خون وغیرہ میں سے کوئی بھی جزو ہے، خواہ وہ جزو متصل ہو یا جسم انسانی سے الگ ہو، اور عضو کے عطیہ یا انتقال میں تین اعمال ضرور ہوں گے (۱) منقول منہ کے صحیح سالم عضو کے استئصال کا عمل (۲) منقول الیہ یعنی مریض کے ناکارہ عضو کے استئصال کا عمل (۳) ناکارہ عضو کی جگہ پر صحیح سالم عضو لگانے کا عمل

اس لئے بعض عرب علماء نے اس پورے عمل کو اس طرح تعبیر کیا ہے:

"يقصد به نقل عضو سليم أو مجموعة من الأنسجة من متبرع إلى مستقل ليقوم مقام العضو أو النسيج التالف" (الموقف الفقہی والأخلاقی من قضیۃ زرع الأعضاء ص: ۸۹، البنوک الطبیہ ص: ۶۴) (جس کا مقصد کسی صحیح سالم عضو یا نسیجوں کو متبرع (عطیہ کنندہ) سے مستقبل (عطیہ قبول کرنے والا، متاثر شخص Recipient) کی طرف منتقل کرنا ہوتا ہے تا کہ یہ ناکارہ عضو یا نسیج کی جگہ لے سکے)۔

یہ جو متبرع (Doner) ہے اس میں بھی عموم ہے جس کا عضو لیا جارہا ہے وہ کوئی انسان بھی ہوسکتا ہے اور کوئی جانور بھی کیونکہ جانوروں کے اعضاء سے بھی پیوندکاری ہوسکتی ہے، اگرچہ عموماً اجزاء انسانی سے ہی پیوندکاری ہوتی ہے، نیز یہ متبرع انسان زندہ بھی ہوسکتا ہے اور مردہ یا جنین بھی، گویا عضو انسانی کے استعمال کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ کسی زندہ انسان کے عضو کو منتقل کرنا۔

۲۔ کسی مردہ انسان کے عضو کو منتقل کرنا۔

۳۔ جنین کے عضو کو منتقل کرنا۔

پہلی صورت: یعنی کسی زندہ انسان کے عضو کو منتقل کرنا، درج ذیل طریقوں سے ہوسکتا ہے:

الف: کسی انسان کے ایک عضو کو لے کر اسی انسان کے جسم میں دوسرے مقام پر پیوندکاری کی جائے، جیسے کھال، پٹھوں، ہڈیوں، وریدوں، اور خون وغیرہ کی جسم کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کو منتقلی اور اس کی پیوندکاری۔

ب: کسی زندہ انسان کے عضو کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوندکاری۔

اس صورت میں اس عضو کی دو میں سے کوئی ایک حیثیت ہوسکتی ہے، یا تو اس پر زندگی کا دارومدار ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر اس پر زندگی کا انحصار ہے تو یا تو وہ تنہا ہوگا جیسے قلب اور جگر، یا جوڑا

ہوگا جیسے گردہ اور پھیپھڑا، اگر اس پر زندگی کا انحصار نہیں ہے تو یا تو وہ جسم کا کوئی بنیادی کام انجام دیتا ہوگا یا نہیں، اور یا تو وہ خود بہ خود از سر نو تیار ہوتا رہتا ہوگا جیسے خون، یا ایسا نہیں ہوتا ہوگا اور یا تو نسب و وراثت اور عمومی شخصیت پر اس سے اثر پڑتا ہوگا جیسے خصیہ، انڈ ڈانی، اور اعصابی نظام کے خلیے، یا اس کا ان میں سے کسی چیز پر اثر نہیں ہوگا۔

دوسری صورت: کسی مردہ انسان کے عضو کو منتقل کرنا، البتہ موت کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ:

۱۔ اس کا قلب اور تنفس پوری طرح بند ہو جائے اور اطباء فیصلہ کر دیں کہ اب اس کی واپسی ممکن نہیں ہے۔

۲۔ اس کے دماغ کے تمام وظائف پوری طرح بند ہو جائیں اور ماہرین اصحاب اختصاص ڈاکٹروں کی رائے ہو کہ اس تعطل کی واپسی کا امکان نہیں ہے اور اس کے دماغ کی تحلیل شروع ہو چکی ہے۔ یعنی صرف دماغی موت کے نتیجے میں اس کو مردہ نہیں قرار دیا جائے گا۔

تیسری صورت: یعنی جنین کے عضو کو منتقل کرنا۔

جنین سے استفادہ تین حالوں میں ہو سکتا ہے:

- ایسے جنین جو خود بہ خود ساقط ہو گئے ہوں۔
- ایسے جنین جو کسی جرم یا طبی ضرورت کی بنا پر ساقط کئے گئے ہوں۔
- بچہ دانی سے باہر تیار شدہ نقیحے (بارآور شدہ نطفے)۔

موضوع کے تعلق سے یہ ساری تفصیلات پیش نظر رہنی چاہئے، ان تفصیلات کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لینے کے بعد اسی ترتیب پر موضوع سے متعلق جدہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے اور سفارشات نقل کی جائیں گی۔

اسلام میں عطیہ کی اہمیت

اسلام، ایک مکمل نظام حیات اور ہمہ گیر مذہب ہے، اسلام ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں رب کائنات کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ دنیا میں بسنے والے انسانوں کے ساتھ بھی ہمدردی وغم خواری کا معاملہ کیا جائے، اسلام مظلوموں کی فریادرسی، غریبوں کی حالت روائی، مریضوں کی عیادت اور مصیبت زدگان کی اعانت کو عبادت کا درجہ دیتا ہے، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے بہترین انسان کا معیار مقرر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"**خير الناس من ينفع الناس**" (کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۴۱۵۴، باب خطب النبی ﷺ ومواعظہ) (بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہو)۔

اس حدیث میں آپ نے کثرت عبادت کو انسان کے بہتر ہونے کا معیار قرار نہیں دیا، حالاں نکہ عبادت ارکان اسلام میں سے ہے، بلکہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کو بہترین انسان کے لئے بہیمانہ بنایا گیا، اس حسن سلوک کا ایک حصہ یہ ہے کہ مریض کی عیادت، ان کی دل داری اور تیمارداری کی جائے، اس عیادت اور خبر گیری کی بڑی اہمیت ہے، حتی کہ بعض روایات میں اس کو حق مسلم قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں:

"**سمعت رسول اللہ ﷺ يقول :حق المسلم على المسلم خمس :رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس**" (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۴۰) (مسلمان پر مسلمان کے پانچ حقوق ہیں: پہلا: سلام کا جواب دینا، دوسرا: بیمار پرسی کرنا، تیسرا: جنازہ کے ساتھ جانا، چوتھا: دعوت قبول کرنا، پانچواں: چھینکنے والے کو دعا دے کر خوش کرنا)۔

لہذا مریض کے کام آنا اور اس کی اشک شوئی کرنا اسلامی فریضہ ہے، اور اگر وہ محتاج ونادار ہے تو اس کے علاج معالجہ کا انتظام اور اس پر صدقات وعطیات کا اہتمام فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑھ جاتا ہے، کیونکہ جب عام حالات میں صدقات وعطیات کی اہمیت ہے تو ان مخصوص حالات میں اہمیت مزید بڑھ جائے گی، البتہ عطیہ یا صدقہ اسی چیز کا ہوسکتا ہے جس کا خود انسان مالک ہو، اگر وہ خود ہی اس کا مالک نہیں تو اسے بہ طور عطیہ کسی کو کیسے دے سکتا ہے؟

اجزاء انسانی کے سلسلہ میں اسلامی تصور:

اسلامی نقطہ نظر سے کائنات اور اس کی ساری رنگینیاں، زمین اور اس کے وسائل ومعدنیات، آسمان اور اس کی ساری کہکشائیں، بہتے سمندر، بلند وبالا پہاڑ اور لیل ونہار کی گردش وغیرہ ہر چیز اللہ پاک نے انہی بے پناہ قدرت سے انسان کی خدمت اور اس کی نفع رسانی کے لئے پیدا کی ہے:

'وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنهار وآتاکم من کل ما سألتموه وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها، إن الإنسان لظلوم کفار" (سورہ ابراہیم: ۳۳۔۳۴) (اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں، اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا اور جو جو چیز تم نے مانگی تم کو ہر چیز دی، اور اللہ تعالی کی نعمتیں اگر شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لاسکتے، سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکر ہے)۔

گویا ساری کائنات خادم اور انسان مخدوم ہے، اس لئے اللہ پاک نے اسے معزز ومکرم بنایا اور اسے عقل وفکر کے علاوہ ایسی مختلف النوع صلاحیتوں سے نوازا جن سے دوسری مخلوقات تہی دامن ہیں۔

"ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات

وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً" (بنی اسرائیل: ۷۰) (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی)۔

انسان کو معزز ومکرم بنا کر اللہ پاک نے اسے صرف باطنی اور معنوی کمالات سے نہیں نوازا بلکہ ظاہری شکل وصورت اور رنگ وجسم کے اعتبار سے بھی اس کو خاص امتیاز اور انفرادیت عطا کی۔

"لقد خلقنا الإنسان فی أحسن تقویم" (التین: ۴) (کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے)۔

اس طرح خالق کائنات نے انسان کو بہترین قالب عطا کرنے کے ساتھ اس نے اسی عجوبۂ قدرت کو کائنات کی رنگینی اور شادابی کا گل سرسبد قرار دیا ہے۔

"خلق السموات والأرض بالحق وصورکم فأحسن صورکم" (سورہ تغابن: ۳) (اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا)۔

خلاصہ یہ کہ فیاض ازل نے انسان کو بہترین شکل وصورت عطا کی ہے، لیکن اس میں آزادانہ تصرف کی اجازت نہیں دی ہے، اگر کوئی شخص شکل وصورت اور فطرت میں بلاوجہ تبدیل کرتا ہے تو وہ دراصل کفران نعمت کا مرتکب ہو رہا ہے، اور شیطانی اغوا کا شکار ہو رہا ہے، اس لئے اس طرح کے کاموں کو شیطانی افعال قرار دیتے ہوئے ان کی مذمت کی گئی اور ان سے بچنے کی تلقین کی گئی، چنانچہ شیطان کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"ولأضلنهم ولأمنینهم ولآمرنهم فلیبتکن آذان الأنعام ولآمرنهم فلیغیرن خلق الله ومن یتخذ الشیطان ولیاً من دون الله فقد خسر خسراناً مبیناً" (سورہ النساء: ۱۱۹) (میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا، انہیں خواہشات میں مبتلا کروں گا اور انہیں حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان، چیر دیں اور انہیں حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی پیدا کریں، اور جو

شخص خدا تعالی کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں واقع ہوگا)۔

ان آیات کی روشنی میں اسلام کا بنیادی تصور واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کا جسم انسان کی ملک نہیں ہے کہ وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اسی تصور کی وجہ سے اپنی جان لینے اور خودکشی کرنے کو اکبر الکبائر قرار دیا گیا ہے، بلکہ جسم انسانی خالص ملک خداوندی ہے، انسان اپنی مرضی سے اس کے کسی جزء کو نہ تو بیچ سکتا ہے اور نہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے، نہ اس میں قطع و برید کرسکتا ہے اور نہ بے جا استعمال کرسکتا ہے۔ خالق حقیقی کی طرف سے جہاں اور جس قدر استعمال کی اجازت دی گئی ہے اس سے زیادہ استعمال اس کی طرف سے تعدی خیال کی جائے گی اور اس کا اسے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

ویسے بھی انسان قابل تکریم ہے اور انسان کے جسم کا ایک حصہ لے کر دوسرے انسان کے جسم میں لگانا اور استعمال کرنا کرامت انسان کے خلاف ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

"والآدمی بجمیع أجزائه محترم مکرم ولیس من الکرامة والاحترام ابتذاله بالبیع والشراء" (بدائع ۳۳۸/۴) (انسان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ معزز اور قابل احترام ہے، اور خرید وفروخت میں اس کے کسی جز کا استعمال انسانی کرامت وشرافت کے خلاف ہے)۔

البتہ اپنے ہی جسم کے ایک حصے کا دوسرے حصہ کے لئے استعمال درست ہے، کیوں کہ یہ کرامت انسانی کے خلاف نہیں ہے، **"ولا إهانة في استعمال جزو منه"** (بدائع ۱۳۲/۵)۔

خلاصہ یہ ہے بنیادی طور سے انسان کی تکریم اور خدا کے مملوک بندہ ہونے کی حیثیت سے اسلام کا جو تصور ہے اس کے اعتبار سے انسان کے کسی جز کی بیع یا اس کا عطیہ وہبہ درست نہیں ہے۔

قدیم کتب فقہ میں عضوانسانی کے عطیہ کا تذکرہ:

قدیم کتب فقہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ چاروں مذاہب فقہیہ متبوعہ میں سے کسی میں اجزاء انسانی کے ہبہ یا نقل کی اجازت نہیں دی گئی ہے، بلکہ چاروں مذاہب نقل اعضاء کی تحریم کے قائل ہیں: ذیل میں ہم ہر مکتب فقہی کی تصریح نقل کررہے ہیں:

۱۔فقہ حنفی کی انتہائی نمایاں شخصیت امام محمد بن حسن شیبانیؒ فرماتے ہیں:

"ولا بأس بالتداوی بالعظم إذا کان عظم شاة أو بقرة أو بعیر أو فرس أو غیره من الدواب، إلا عظم الخنزیر والآدمی فإنه یکره التداوی بها" (السیر الکبیر)

(ہڈی سے علاج میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ وہ بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے وغیرہ جانوروں کی ہڈی ہو، البتہ خنزیر یا انسان کی ہڈی نہ ہو اس لئے کہ اس سے علاج معالجہ درست نہیں ہے)۔

۲۔شوافع کے مشہور عالم علامہ رملی فرماتے ہیں :

"ویحرم قطعه البعض من نفسه لغیره ولو مضطرا ۔۔۔۔۔ کما یحرم أن یقطع من غیره لنفسه" (اپنے جسم کا کوئی عضو کسی اور کے لئے کاٹنا حرام ہے اگرچہ اضطرار کی حالت ہو..... اسی طرح کسی معصوم اور غیر مباح الدم کے جسم کا کوئی حصہ اپنے لئے کاٹنا بھی حرام ہے)۔

۳۔مشہور مالکی عالم ابن الحاج کہتے ہیں:

"والمیت یتأذی مما یتأذی به الحی وذلک أن حرمته کحرمة الحی حال حیاته" (میت کو اس چیز سے تکلیف ہوتی ہے جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ میت کو بھی وہی عظمت واحترام حاصل ہے جو زندہ کو اس کی زندگی میں حاصل ہے)۔

۴۔مشہور حنبلی عالم علامہ بھوتی فرماتے ہیں :

"لا يجوز التداوی بشئی محرم أو بشئی فيه محرم ولا بشرب مسكر، لقوله ﷺ: لا تتداووا الحرام" (کسی حرام چیز سے یا کسی ایسی چیز سے جس میں حرام کی آمیزش ہو، علاج درست نہیں ہے، اور نہ کسی نشہ آور چیز کے پینے کے ذریعہ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: حرام سے علاج مت کرو) (تفصیل کے لئے دیکھئے: المسؤولیۃ الجنائیۃ فی تحدید لحظۃ الوفاۃ، ص: ۱۴۷، ریاض)۔

دوسری فصل:

اجزاء انسانی کے عطیہ کے سلسلہ میں علماء کے اقوال

قدیم کتب فقہ میں جیسا کہ ذکر کیا گیا عدم جواز کا یہی قول نقل کیا گیا ہے، تاہم بعض معاصر علماء اور مجامع فقہیہ نے مخصوص ظروف واحوال کے تناظر میں بعض شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، ہم پہلے عدم جواز کے دلائل پیش کریں گے اس کے بعد دلائل جواز ذکر کر کے ان کا تجزیہ کریں گے:

معاصر عرب علماء جو تحریم کے قائل ہیں:

۱۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی (متوفی ۱۹۹۷ء) رقم طراز ہیں:

"نقل العضو من شخص لآخر لا يجوز، لأن أعضاء الإنسان ليست ملكاً له، فلا يملك التصرف فيها" (تعریف أہل الاسلام بأن نقل العضو حرام، ص: ۷، مکتبۃ القاہرہ)

(کسی شخص کا عضو دوسرے کے لئے منتقل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ انسان کے اعضاء اس کی ملکیت نہیں ہیں، لہذا وہ ان میں تصرف بھی نہیں کر سکتا ہے)۔

۲۔ شیخ متولی الشعراوی **"الإنسان لا يملك جسده فكيف يتبرع بأجزائه"** کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"إن الدين لا يبيح نقل الأعضاء من جسم إلى آخر ولو كان هذا عن طريق التبرع، فإذا كان ذلك بالبيع كانت الجريمة أكبر" (اللواء الاسلامی العدد ۲۲۶، ۲۷ من جمادی الآخرۃ ۱۴۰۷ھ) (شریعت مطہرہ میں اعضاء کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرنے

کی اجازت نہیں ہے اگر چہ تبرع اور عطیہ کے طور پر ہو، اور اگر یہ بیع وشراء کے طور پر ہوگا تو جرم اور زیادہ سنگین ہوجائے گا)۔

۳۔ جامع ازہر کے استاذ فقہ دکتور عبد السلام السکری نے مستقل اس موضوع پر کتاب تالیف کر کے ائمہ اربعہ کی تصریحات ودیگر دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ایک شخص کے جسم کا کوئی عضو دوسرے کے جسم میں منتقل کرنا حرام ہے (دیکھئے ان کی کتاب: نقل وزراعۃ الأعضاء الآدمیۃ من منظور إسلامی، ط: الدار المصریہ، قاہرہ)۔

۴۔ دکتور عبد العظیم المطعنی نے بھی تحریم مطلق کا قول کرتے ہوئے دلیل کے طور پر کئی فقہی ضوابط بھی ذکر کئے ہیں، مثلاً "**الضرر لا یزال بالضرر، لا ضرر ولا ضرار، درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح**" وغیرہ (دیکھئے: نقل الأعضاء بین الإباحۃ والتحریم، ط: الجمعیۃ الشرعیۃ الرئیسیۃ، مصر)۔

۵۔ شیخ عبد الفتاح محمود ادریس نے اپنی کتاب "حکم التداوی بالمحرمات" میں وضاحت کی ہے کہ چاروں مکاتب فکر کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی شخص کا کوئی عضو اس کے جسم سے اس غرض سے جدا کرنا جائز نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ دوسرے کو فائدہ پہنچایا جائے، اگر چہ وہ دوسرا اضطرار کی حد تک پہنچ چکا ہو۔

۶۔ دکتور موسی شاہین نے اپنے ایک فتوی میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے، "**التبرع بالأعضاء غیر جائز والوصیۃ بھا باطلۃ**" (الجمہوریۃ ۲۳/۵/۱۹۹۶ء) (اعضاء کا عطیہ ناجائز اور اس کی وصیت شرعاً غیر معتبر ہے)۔

۷۔ شیخ عبد الرحمن العدوی نے بھی اپنے فتوی میں کہا ہے کہ جسم انسانی کے کسی جز کا عطیہ مکمل طور سے حرام ہے، اس لئے کہ وہ اللہ پاک کی ملکیت ہے (الجمہوریۃ ۱۵/۵/۱۹۹۷ء)۔

ان کے علاوہ درج ذیل حضرات بھی اجزاء انسانی کے عطیہ کے عدم جواز کے

قائل ہیں:

۸۔ شیخ عصمت اللہ عنایت اللہ محمد (دیکھئے: الانتفاع بأجزاء الآدمی فی الفقہ الاسلامی ص: ۵۵)۔

۹۔ استاذ کمال الدین بکرو (دیکھئے: مدی ما یملک الانسان من جسمہ، الجزء الاول، ص: ۱۹۰۔۱۹۱)۔

۱۰۔ الاستاذ الدکتور محمد سید طنطاوی (حکم بیع الانسان لعضو من أعضاۂ أو التبرع بہ، ص: ۳۰۹)۔

۱۱۔ دکتور محمد الاشقر (ثبت ندوۃ الرؤیۃ الاسلامیہ، ص: ۳۹۶)۔

۱۲۔ دکتور حسن الشاذلی (انتفاع الانسان بأعضاء جسم إنسان آخر، ص: ۲۲۰۔۲۲۱)۔

۱۳۔ دکتور ابراہیم الصیاد (ثبت ندوۃ الرؤیۃ الاسلامیۃ، ص: ۳۹۱)۔

۱۴۔ دکتور عجیل النشمی (بنوک الجلد، ص: ۳۱۹)۔

۱۵۔ دکتور حسن الفکی (احکام الأدویۃ، ص: ۳۹۵)۔

۱۶۔ شیخ وہبہ مصطفی الزحیلی (مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ع: ۴، ج: ۱، ص: ۴۶۰)۔

۱۷۔ شیخ رجب بیوض التمیمی (مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، شمارہ: ۴، جلد: ۱، ص: ۴۶۷)۔

۱۸۔ شیخ محمد سالم عبد الودود (مجلۃ الفقہ الاسلامی، شمارہ: ۴، ج: ۱، ص: ۴۸۰)۔

۱۹۔ حسن بن علی السقاف (الاقناع والاستقصاء لأدلۃ تحریم نقل الاعضاء، ص: ۲۲)۔

۲۰۔ دکتور قیس بن محمد آل الشیخ مبارک (التداوی والمسؤولیۃ الطبیۃ، ص: ۲۳۷)۔

۲۱۔ دکتور مصطفی الذہبی (نقل الأعضاء بین الطب والدین، ص: ۳۵)۔

۲۲۔ دکتور محمد فواد شاکر (نقل الاعضاء الآدمیۃ فی ضوء الشریعۃ والطب)۔

۲۳۔ دکتور ابو الوفا عبد الآخر (نقل الأعضاء الآدمیۃ، ص: ۱۵)۔

۲۴۔ سعد جلال محمد (الأہرام ۴/۷/۱۹۹۷ء)۔

(تفصیل کے لئے: البنوک الطبیۃ البشریۃ الدکتور اسماعیل مرحبا، ص: ۵، ۷۶، ۷، ط: دار ابن الجوزی)۔

عدم جواز کے دلائل:

دلیل نمبر (۱): انسان کا جسم اس کا مملوک نہیں ہے بلکہ یہ خالص ملک خداوندی ہے، لہذا انسان اپنی مرضی سے جسم کے کسی حصے کو نہ تو بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے۔

دلیل نمبر (۲): مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو مواضع ہلاکت سے بچائے، قرآن مجید میں ارشاد باری ہے :"ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (البقرہ: ۱۹۵) (اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو)، اور ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ جس میں آپریشن کرکے کسی کے جسم کا ایک عضو نکال کر دوسرے کے عضو میں منتقل کیا جاتا ہے، انتہائی خطرناک ہے، بسااوقات یہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے، نیز جس شخص نے مثلاً اپنے دو گردوں میں سے ایک گردہ کا عطیہ دے دیا خود اس کی زندگی بھی بہت سی مرتبہ خطرات سے گھر جاتی ہے، اس لئے اس طرح کا اقدام اپنے آپ کو ہلاکت ڈالنے کے مرادف ہے۔

جس کی ممانعت نص شرعی سے ثابت ہے:

اور یہ سمجھنا کہ ایک جگر یا گردے کی تبدیلی سے ضرر نہیں ہوتا ہے غلط ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک عضو زائد ہے، کیوں کہ جسم اس کے بغیر بھی طبعی رفتار سے کام کرسکتا ہے، اس لئے یقیناً ضرر لاحق ہوتا ہے اگرچہ ضرر کی نوعیت اور کیفیت مختلف ہوسکتی ہے، نیز یہ تصور ارشاد باری تعالی :"إنا كل شئى خلقناه بقدر" کے بھی منافی ہے۔

۳۔ ارشاد باری ہے :"ولقد كرمنا بنى آدم وحملناهم فى البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلاً" (سورۃ الاسراء: ۷۰) (اور بلاشبہ ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں چلنے والی سواریوں پر سوار کیا اور ہم نے ان کو عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور ہم نے بنی آدم کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت عطا کی)۔

امام رازی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"إنه تعالی قال أولاً ولقد کرمنا بنی آدم، وقال سبحانه ھھنا (وفضلناھم) فلا بد من فرق بین التکریم والتفضیل لئلا یلزم التکرار، والأقرب فی ذلک أن یقال إنه تعالی فضّل الاإنسان علی سائر الحیوانات بأمور خلقیة طبعیة ذاتیة مثل العقل والنطق والخط والصورة الحسنة والقامة المدیدة، ثم إنه عزوجل عرضه بواسطة ذلک العقل والفھم لإکتساب العقائد الحقة والأخلاق الفاضلة، فالأول ھو التکریم والثانی ھو التفضیل" (تفسیر کبیر ۱۶/۱۲، روح المعانی ۱۱۸/۱۵)۔

(اللہ پاک نے آیت مذکورہ میں دو چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، ایک تکریم اور دوسری تفضیل، اور ان دونوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے، تاکہ تکرار لازم نہ آئے، اور اس میں سب سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو بہت سارے فطری اور خلقی امور میں تمام حیوانات پر فوقیت اور برتری دی ہے جو کہ ذات انسان میں رکھ دیئے گئے ہیں، اور بعض امور کو خلقت پر زائد اور اضافی رکھ دیا ہے جیسے کہ عقل، قوت گویائی، خط، اچھی شکل وصورت، اور دراز قد وغیرہ، پھر اللہ تعالی نے اس کو عقل وحکمت عطا کی تاکہ عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ کا اکتساب کرے، پہلی والی اشیاء تکریم میں داخل ہے اور دوسری قسم کی اشیاء تفضیل میں شامل ہیں)۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر سے صاف ظاہر ہوا کہ تخلیق انسان میں اعضاء انسانی کی ترتیب اور اس کی فطری ہیئت اللہ تعالی کی جانب سے اس کی تکریم ہے اور اس کے اندر عقل وفہم اور حکمت کا رکھنا دوسری مخلوق پر تفضیل ہے، قسم اول میں قطع وبرید کرنا تکریم کے خلاف ہے اور دوسری قسم کی چیزوں میں بگاڑ پیدا کرنا تفضیل کے خلاف ہے (انسانی اعضاء کا احترام ص:۲۹)۔

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں :"لقد خلقنا الإنسان فی أحسن تقویم" (سورہ التین:۴) (کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے)۔

علامہ آلوسیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"والمراد بذلک جعله علی أحسن مایکون صورة ومعنی فیشمل ماله من انتصاب القامة وحسن الصورة والاحساس وجودة العقل وغیر ذلک" (روح المعانی ۳۰/۵۰۲، ط: دار الحدیث، القاہرہ) (مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے ظاہری وباطنی اعتبار سے بہترین انداز میں انسان کو بنایا ہے، لہذا اس میں قدوقامت کی درستگی اور حسن شکل کے ساتھ شعور اور عمدگی عقل کی بھی شامل ہے)۔

گویا انسان تخلیق خداوندی کا شاہ کار ہے، اور اللہ پاک نے اپنی تخلیق میں تغییر وتبدیلی سے منع کر رکھا ہے۔

لہذا انسان کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اللہ پاک کے پیدا کردہ جسم کے ایک حصہ میں تبدیلی کر کے وہ کسی اور کے حوالے کر دے۔

۵۔"عن جابر أن النبی ﷺ لما هاجر إلی المدینة هاجر إلیه الطفیل بن عمرو وهاجر معه رجل من قومه فاجتووا المدینة فمرض فأخذ مشاقص له قطع بها براجمه فشخبت یداه حتی مات فرآه الطفیل بن عمرو فی منامه وهیئته حسنة ورآه مغطیاً یدیه فقال له :ما صنع بک ربک، قال :غفر له بهجرتی إلی نبیه ﷺ فقال له : مالی أراک مغطیاً یدیک، قال :قیل :لن نصلح منک ما أفسدت، فقصّها الطفیل علی رسول الله ﷺ، فقال رسول الله ﷺ:ولیدیه فاغفر" (اسد الغابۃ، کتاب الکنی، باب الباء، حدیث نمبر: ۲۰۹۲۰، وکذا مسلم والطحاوی وآحد غیرہم عن جابر بن عبد اللہ)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو بھی آپ کے پاس ہجرت کر کے آ گئے، اور ان کے ساتھ ان کی قوم (دوس) کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی لیکن مدینہ کی ہوا ناموافق ہوئی اور لوگوں کے پیٹ میں عارضہ پیدا ہوا، تو طفیلؓ کے ہمراہ آنے والا شخص بھی بیمار ہو گیا اور اس نے لے کر

اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے جس سے دونوں ہاتھوں سے خون بہنا شروع ہوا یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر طفیل بن عمرو ؓ نے اس کو خواب میں دیکھا اس کی شکل بہت اچھی تھی لیکن وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو چھپائے ہوئے تھا۔ طفیل نے کہا: تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے بخش دیا ہے، طفیل نے کہا: دونوں ہاتھوں کو کیوں چھپائے ہوئے ہو، اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالی کی جانب سے کہا گیا کہ جس کو تم نے اپنے ہاتھ سے بگاڑا ہم ان کو ٹھیک نہیں کریں گے، پھر طفیل ؓ نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا آپ نے اس کے دونوں ہاتھوں کے لئے دعا فرمائی، یا اللہ! اس کو دونوں ہاتھوں کے بارے میں بھی بخش دے، اللہ تعالی نے اس کو بخشد یا، طفیل ؓ نے پھر خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو درست فرمادیا)۔

حدیث بالا سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

الف: انسان کو اعضاء میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

ب: بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو ہالک یا کسی عضو کو کاٹ کر خودکشی کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

ج: جو لوگ اعضا انسان میں تصرف کر کے تقویم انسانیت میں فساد پیدا کرتے ہیں اور خدا تعالی کی پیدا کردہ صورت حسنہ میں تغیر کرتے ہیں، اگر اللہ تعالی نے انہیں معاف نہیں کیا تو مرنے کے بعد بھی وہ مفقود الاعضاء ہوں گے۔

د: تقویم الٰہی اور انسانی خلقت میں قطع و برید اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب ہے۔

۶۔ ازروئے شرع جسم انسانی کو خاص حرمت وعظمت حاصل ہے، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ زندگی میں اسے جو عظمت ومرتبت حاصل ہے اسی کا اثر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان کے جسم کو تباہ کردے اس کی جان لے لے تو اس قاتل کو قصاصاً قتل کردیا

جائے گا اور اگر جسم کے کسی خاص عضو کو نقصان پہنچائے تو اس کو اسی کے بہ قدر سزا ملے گی، قرآن کریم میں ہے:

"وكتبنا عليهم فيها أن النفس بالنفس والعين بالعين والأنف بالأنف والأذن بالأذن والسن بالسن والجروح قصاص" (المائدہ: ۴۵) (اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت، اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے)۔

اور چونکہ مرنے کے بعد بھی جسم انسانی محترم ومکرم ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"اغسلوه بماء وسدر وكفنوه"** (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۲۶۵، صحیح مسلم: ۱۲۰۶) (حالت احرام میں وفات پانے والے اس شخص کو پانی اور بیری سے نہاؤ اور اسے کفن دو)۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"إن كسر عظم الميت ككسره حياً"** (ابوداؤد باب فی الحفار یجد العظم، ابن ماجہ، باب فی النہی عن کسر عظام المیت) (مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہے جیسا کہ زندگی میں اس کی ہڈی توڑنا)۔

نیز آپ نے زندہ شخص کو مردہ انسانوں کی قبروں کے اوپر سے گزرنے سے منع فرمایا، کیوں کہ اس سے مردہ انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسانی حرمت زندگی اور موت کے بعد یکساں ہے، زندگی میں جو حرکتیں اس کے ساتھ جائز نہیں مرنے کے بعد بھی وہی حرکات جائز نہیں ہیں، لہذا جس طرح انسان کی زندگی میں اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دینا جائز نہیں، اسی طرح مرنے کے بعد بھی کسی کو دینے کی وصیت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۷۔ **"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، وفيه عن أسماء بنت أبي بكر وعائشة وعبد الله بن**

مسعود" (صحیح مسلم، کتب اللباس والزینۃ) (ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے انسان کے بال کو اپنے بال سے ملانے والی اور ملانے کا کام کرنے والی اور چہرے پر گودانے والی اور گودنے کا کام کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے)۔

یعنی ایک عورت کے بال کاٹ کر دوسری عورت کے لئے لگانا جائز نہیں ہے، خواہ یہ عورت مردہ ہو یا زندہ، اور اس دوسری عورت نے یہ بات قیمتاً لیے ہوئے یا عطیہ کے طور پر۔

امام نوویؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**هذا الفعل حرام على الفاعلة والمفعول بها لهذه الأحاديث ولأنه تغيير لخلق الله تعالى لأنه تزوير ولأنه تدليس**" (شرح نووی، مسلم ۲/۲۰۵)۔

(ان احادیث کی رو سے یہ کام کرنے اور کرانے والی دونوں عورتوں کا فعل حرام ہے، کیوں کہ اس میں تغییر خلق اللہ ہوتی ہے دھوکہ دہی اور جعل سازی بھی)۔

اور یہ بات بھی واضح رہے کہ انسان کے بال ایسے عضو ہیں کہ جن کے کاٹنے اور لگوانے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، رضاکارانہ طور پر دیئے جاتے تھے جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، انسان کے دوسرے اعضاء ہاتھ، پاؤں، دل، گردے اور قرنیہ تو ایسے اعضاء ہیں جن کی قطع و برید سے زندگی اور مرنے کے بعد بھی مردہ کو ضرر پہنچتا ہے، تکلیف وایذا پہنچتی ہے، تو ان میں قطع و برید اور پیوندکاری ناجائز اور سبب لعنت ہوگی، کیوں کہ:

الف: اعضاء انسانی کی قطع و برید کر کے بگاڑنا تغییر خلق اللہ ہے۔

ب: اس لئے اس تغییر خلق کو کرنے اور کرانے والے دونوں شرعی مجرم ہیں، دونوں مرتکب حرام ہیں۔

ج: ایک انسان کے اعضاء کا دوسرے کے لئے استعمال ناجائز ہے۔

د: کیوں کہ اس سے اعضاء انسانی کی بے حرمتی ہوتی ہے اور پوری انسانیت کی بے حرمتی کا سبب ہے، چوں کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں اس لئے وہ اپنے جسم میں

مالکانہ تصرف نہیں کرسکتا اور چونکہ اعضاء انسانی کی قطع و برید اور پیوندکاری میں حق اللہ کا ضیاع ہے اور انسانیت کی بے حرمتی ہے اس لئے یہ تمام افعال قرآن وحدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"وقد فصله أصحابنا فقالوا إن وصلت شعرها بشعر آدمی فهو حرام بلا خلاف، سواء كان شعر رجل اور امرأة، وسواء شعر المحرم والزوج وغيرها بلا خلاف لعموم الأحاديث ولأنه يحرم الانتفاع بشعر الآدمی وسائر أجزائه لكرامته بل يدفن شعره وظفره وسائر أجزائه" (شرح مسلم ۲/ ۲۰۲)۔

(ہمارے فقہاء نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ اگر عورت نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی انسان کا بال ملا لیا تو یہ بلا اختلاف حرام ہے، خواہ وہ بال مرد کا ہو یا عورت کا، محرم کا ہو یا غیر محرم کا، بلکہ شوہر کا ہو پھر بھی، کیوں کہ حدیث میں ممانعت عام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اعضاء انسانی سے انتفاع اس کی کرامت کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کے بال ناخن اور دیگر سارے اجزاء کو دفن کر دیا جائے گا) (انسانی اعضاء کا احترام، ص: ۴۰-۴۱)۔

۸۔ آزاد انسان اور اس کے اعضاء چوں کہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں اس لئے نہ ان کی خرید و فروخت ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے مثلاً عطیہ وغیرہ کے ذریعہ ان کو ایک سے دوسرے میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

"عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال: قال الله تعالى: ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطى به ثم غدر ورجل باع حراً فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعط أجره" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۱۰۹)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تین آدمی میرے خصم اور مدعی علیہ ہوں گے، ایک وہ شخص جو میرے نام پر عہد کرے قسم کھائے پھر مکر جائے۔ دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس

کی قیمت کو کھا گیا، تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور آدمی سے پورا پورا کام لیا لیکن اس کی اجرت نہیں دی)۔

حدیث مذکور میں آزاد آدمی کی بیع کے بارے میں شدید وعید آئی ہے، ظاہر ہے جس طرح آزاد آدمی کا فروخت کرنا جائز نہیں اس کے اعضاء کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اور یہ اصول ہے کہ جس چیز کی بیع جائز نہیں اس کا ہبہ اور عطیہ بھی جائز نہیں اور وصیت بھی جائز نہیں، واضح رہے کہ جس طرح مسلمانوں کی بیع جائز نہیں اسی طرح آزاد کافروں اور مشرکوں کی بیع بھی جائز نہیں جس طرح مسلمانوں کے اعضاء سے انتفاع جائز نہیں اسی طرح کافروں کے اعضاء سے بھی جائز نہیں۔

"**عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن المشرکین أرادوا أن یشتروا جسد رجل من المشرکین فأبی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن یبیعه**" (جامع الترمذی، باب ما جاء لا تفادی جیفة الأسیر، حدیث: ۱۷۱۵)۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے اپنے ایک آدمی کو خریدنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کرنے سے انکار فرمادیا)۔

صاحب المغازی محمد بن اسحاق نے روایت نقل کی ہے:

"**إن المشرکین سألوا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن یبیعهم جسد نوفل بن عبد اللہ بن مغیرة وکان اقتحمت الخندق فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاحاجة لنا بثمنه ولا جسده، فقال ابن هشام: بلغنا عن الزهری أنهم بذلوا فیه عشرة آلاف**"۔

(مشرکین نے غزوہ خندق کے موقع پر نوفل بن عبداللہ کے مردہ جسم کو خریدنا چاہا، وہ خندق میں گر کر مر گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی قیمت اور معاوضہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں نہ اس کے جسم کی حاجت ہے، ابن ہشام نے کہا کہ زہری سے حدیث پہنچی کہ مشرکین نے اس کے بدلے میں دس ہزار درہم کی پیش کش کی تھی)۔

حدیث مذکور کی تشریح کرتے ہوئے صاحب اعلاء السنن لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کافر کے جسم کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مردہ ہے (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۱۲۔ ۱۱۳، ط: ادارۃ القرآن، کراچی)۔

۹۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے اندر جب مالیت ہی نہیں تو اس کی خرید وفروخت کس طرح جائز ہوگی، جب کہ خرید وفروخت کی بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو (اور جس کی خرید وفروخت نہیں ہوسکتی اس کا ہبہ اور عطیہ بھی نہیں ہوسکتا)۔

بدائع میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"ومن شرائط البيع أن يكون مالاً لأن البيع مبادلة المال بالمال فلا ينعقد بيع الحر لأنه ليس بمال وكذا بيع أم الولد لأنها حرة من وجه لما روى عن النبي ﷺ أنه قال :أعتقها ولدها، وروى عنه عليه الصلاة والسلام أنه قال في أم الولد :لاتباع ولا توهب وهي حرة من الثلث، نفع عليه الصلاة والسلام جواز بيعها مطلقاً وسماها حرة فلا تكون مالاً على الإطلاق" (بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۰)۔

(اور بیع کی شرائط میں یہ ہے کہ مبیع مال ہو کیوں کہ بیع نام ہے مبادلۃ المال بالمال کا، اسی وجہ سے آزاد آدمی کی بیع جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ مال نہیں، اسی طرح ام ولد کی بیع ہے، اس لئے کہ وہ من وجہ آزاد ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے بچے نے اسے آزاد کردیا ہے، اس کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ آزاد ہے، یہاں پر حضور ﷺ نے ام ولد کی بیع کو علی الاطلاق ناجائز کہا ہے۔

اور فتح القدیر کے حوالے سے ابن نجیم نے لکھا ہے :**"بأن الآدمي مكرم وإن كان كافراً"** (البحر الرائق ۶/ ۸۱) (انسان مکرم ومعزز ہے، اگرچہ کافر ہی ہو)۔

دلائل کا عمومی تجزیہ:

کتاب وسنت اور نصوص فقہیہ سے پیش کئے گئے یہ دلائل اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ اجزاء انسانی کا نقل یا عطیہ ناجائز ہے، اور یہ دلائل مضبوط اور اپنے مدعی پر واضح ہیں، لیکن قائلین جواز نے ان میں تاویلات کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ہمارے مدعی کے خلاف نہیں ہیں، چنانچہ دلیل نمبر (۱) کا جواب یہ دیا ہے کہ صرف ہمارے اجسام نہیں بلکہ ہمارے اموال وممتلکات سارے کے سارے اللہ پاک کی ملک ہیں، اس کے باوجود انسان جس طرح مال کا مالک ہوتا ہے اسی طرح جسم کا بھی مالک ہوسکتا ہے، گویا انسان کی ملکیت شخصیہ اللہ پاک کی ملکیت عامہ کے منافی نہیں ہے (دیکھئے: وجہۃ نظر فی زراعۃ الأعضاء الانسانیۃ، دکتور احمد محمد جمال، ص: ۲۴)۔

لیکن ظاہر ہے یہ قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ اجسام واعضاء میں انسانی ملک ثابت نہ ہونے اور بیع وشراء کے جائز نہ ہونے پر نصوص موجود ہیں، نیز اس جواب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خود اپنی جان کا مالک ہوجائے اور اس میں بھی اس کے لئے تصرف کی گنجائش ہو؟

دوسرے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ انسان اپنی جان اور روح کا مالک نہیں ہے لہذا جان کو خطرے میں ڈالنا اور خودکشی کرنا جائز نہیں ہے، اعضاء کا تو وہ خود مالک ہے اس لئے اس کا حکم الگ ہے (دیکھئے: فتاوی دار الافتاء المصریۃ، نمبر: ۶۲، البنوک الطبیۃ ص: ۷۷، ط: دار ابن الجوزی)۔

تیسرے اور چوتھے استدلال کا جواب دیا ہے کہ انسان کا اپنے جسم وعضو کا مالک ہونا تکریم انسانی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ملک کی صورت میں اس کا اعزاز مزید بڑھ جاتا ہے کیوں کہ کسی چیز کا مالک ہونا قابل تعریف ہے نہ کہ مالک نہ ہونا (البنوک الطبیۃ، ص: ۷۷)۔

پانچویں استدلال کا وہی جواب ہے جو دوسری دلیل کے جواب میں ذکر کیا گیا، اسی

طرح مانعین نے دیگر دلائل کا جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ جوابات بے وزن ہیں، اور اصول فقہ ومقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا رد زیادہ مشکل نہیں ہے، چنانچہ جامع ازہر کے استاذ فقہ دکتور عبدالسلام السکری کہتے ہیں:

"إنه على حين يقدم القائلون بتحريم نقل الأعضاء الآدمية الأدلة الشرعية على التحريم فإن القائلين بالإجازة لا يقدمون دليلاً فقهياً واحداً على ذلك" (نقل وزراعۃ الأعضاء الآدمیۃ من منظور اسلامی، ط: الدار المصریۃ، القاہرہ)۔

(ایک طرف تو نقل اعضاء کی تحریم کے قائلین، حرمت پر دلائل شرعیہ پیش کر رہے ہیں، جب کہ دوسری جانب جواز کے قائل حضرات اپنے موقف پر ایک بھی فقہی دلیل نہیں پیش کر پا رہے ہیں)۔

اجزاء انسانی کے عطیہ کی وصیت غیر معتبر ہے:

جس طرح انسانی جسم اور انسانی اعضاء کو بطور عطیہ دینا جائز نہیں، اسی طرح اس کی وصیت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وصیت بھی مال کی ہوتی ہے۔

قاضی احمد بن رشد القرطبی الاندلسی بدایۃ المجتہد میں ہبہ کے ارکان وشرائط کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أما الواهب فإنهم اتفقوا على أن تجوز هبة إذا كان مالكاً صحيح الملك" (واہب یعنی عطیہ دینے والے کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک متفقہ شرط یہ ہے کہ واہب شئ موہوب کا واقعی مالک ہو)۔

اور چونکہ کوئی شخص اپنے جسم اور اعضاء کا مالک نہیں ہے، جس کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں، اس لئے اپنے جسم یا اعضاء میں سے کسی عضو کا عطیہ اور ہبہ نہیں کرسکتا، نہ اس کی وصیت کرسکتا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب البدائع الصنائع میں علامہ کاسانی ہبہ کے شرائط وارکان ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منها أن يكون مالا متقوماً فلا تجوز هبة ما ليس بمال أصلاً كالحر والميتة والدم وصيد الحرم والإحرام والخنزير وغير ذلك على ما ذكرنا في البيوع" (بدائع ۱۱۹/۶) (ہبہ اور عطیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ شئ موہوب (جس کا عطیہ کیا جارہا ہو) مال متقوم (قیمت والا مال) جو شئ مال متقوم اور مملوک نہیں اس کا ہبہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ آزاد آدمی، مردار، خون، حرم اور احرام والے کا شکار کیا ہوا جانور، خنزیر وغیرہ)۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ واضح ہوا کہ انسانی اعضاء کا ہبہ اور عطیہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ مال نہیں، اور نہ کسی کی ملکیت ہے، ہبہ کرنا اس کے احترام واکرم کے منافی ہے، انسانی اعضاء کا جس طرح ہبہ نہیں ہوسکتا اس کی وصیت بھی نہیں ہوسکتی اس بارے میں نصوص اور روایات وفقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

معلوم ہونا چاہئے کہ اصطلاح شریعت میں وصیت کی تعریف یہ ہے:

"تمليك مضاف إلى ما بعد الموت على سبيل التبرع عينا كان أو منفعه هذا هو التعريف المذكور في عامة الكتب وذكر في الإيضاع أن الوصية هي ما أوجبه الإنسان في ماله بعد موته أو في مرض موته والوصية بهذا المعنى هي المحكوم عليها بأنها مستحبة غير واجبة وإن القياس يأتي جوازها" (وكذا في رد المحتار ۴۵۹/۶، البحر الرائق ۴۰۳/۸) (وصیت کا مطلب یہ ہے کہ ازروئے تبرع کسی چیز یا اس کی منفعت کو کسی کی ملک میں موت کے بعد معلق کرکے دیدینا یہ تعریف تو عام کتابوں میں ہے اور ایضاح میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ انسان حالت صحت یا حالت مرض میں اپنے مال پر جو کچھ اپنے اوپر واجب کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں مال فلاں شخص کو دیدیا جائے، عطیہ کے طور پر

وصیت ہے اور یہ وصیت مستحب ہے واجب نہیں، اور یہ خلاف قیاس اور خلاف عقل ہے)۔

وصیت کی مذکورہ بالا تعریف سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ وصیت تملیک اموال کی ہوتی ہے۔

۲۔ جو چیز مال نہیں اس کی وصیت کسی کے لئے درست نہیں۔

۳۔ تملیک کے لئے ضروری ہے کہ خود مالک ہو ورنہ وصیت درست نہیں۔

۴۔ عطیہ کی وصیت انسان پر شرعاً واجب نہیں انسان خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔

۵۔ وصیت کرنا واجب نہیں مستحب ہے۔

۶۔ وصیت کا معاملہ عقل وقیاس کے خلاف ہے، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی ملکیت جب ختم ہوگئی تو وفات کے بعد کے تصرفات ناجائز ہوجانے چاہئیں، لیکن شریعت نے مرنے والے پر احسان کر کے مرنے کے بعد تہائی مال میں تصرف کو بھی جائز کہا ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

صاحب البحر الرائق ابن نجیمؒ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ وصیت کوئی قیاسی چیز نہیں ہے، جس پر دوسرے مسائل کو قیاس کیا جاسکے، بلکہ وصیت کا مسئلہ خلاف قیاس ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"والقياس يأبى جوازها لأنها تمليك مضاف إلى حال زوال الملك ولو أضافه إلى حال قيامه بأن قال ملكتك غداً، كان باطلاً فهذا أولى إلا أن الشارع أجازه لحاجة الناس إليها" (البحر الرائق ۸/ ۴۰۴) (وصیت کا جواز قیاس کے خلاف ہے قیاس اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وصیت میں مال کی تملیک بعد الموت منسوب ہوتی ہے جبکہ مرنے کے بعد انسان کی ملکیت ہی ختم ہوجاتی ہے مگر شارع نے انسان کی ضرورت وحاجت کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے)۔

درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان موت سے قبل اپنے غرور وتکبر میں ہوتا ہے اور

اعمال میں کمزور ہوتا ہے جبکہ عارضہ موت اور ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو کم از کم اپنے مال کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہے تو اس کی حکمت و مصلحت کو دیکھتے ہوئے شریعت نے مرنے کے بعد عطیہ دینے کی اجازت دی ہے، قرآن کریم میں جہاں تقسیم میراث اور ادائے قرض اور وصیت کو پورا کرنے کا ذکر ہے وہاں پر مال کی تنقید مراد ہے۔ اسی وجہ سے تمام کتب فقہ میں فرائض کی بحث میں لکھتے ہیں کہ میت کی متروکہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ میں چار حقوق متعلق ہوتے ہیں:

۱۔ تجہیز و تکفین۔

۲۔ ادائے قرض۔

۳۔ تنفیذ وصیت۔

۴۔ تقسیم وراثت از روئے قانون شریعت۔

وصیت مال کی ہوتی ہے، چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

''قوله عليه الصلاة والسلام :إن الله قد تصدق عليكم بثلث أموالكم عند وفاتكم زيادة فى حسناتكم ليجعلها لكم زيادة فى أعمالكم وعليه إجماع الأمة'' (البحر الرائق ۸/ ۴۰۴)۔

(اللہ تعالی نے تمہاری وفات کے بعد تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے یہ تمہارے لئے صدقہ ہے تا کہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہوجائے اور تمہارے اعمال میں زیادتی آجائے اور اسی پر امت کا اجماع ہے)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں:

''أن الوصية مشروعة لنا لا علينا قال عليه الصلاة والسلام إن الله تصدق عليكم بثلث أموالكم فى آخر أعماركم زيادة فى أعمالكم'' (مبسوط سرخسی ۲۷/ ۱۴۲، رد المحتار ۶/ ۴۵۹)۔

(وصیت ہمارے فائدے کے لئے مشروع ہے یہ ہمارے اوپر لازم اور واجب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے آخری عمر میں وصیت کرنے کی اجازت دے کر تمہارے اوپر ایک تہائی مال کا صدقہ کیا ہے تا کہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہوجائے)۔

مذکورہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:

۱۔ وصیت کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

۲۔ وصیت کی اجازت خلاف قیاس منجانب شارع تصدق ہے۔

۳۔ وصیت مال کی ہوتی ہے اور چونکہ جسم واعضاء مال کی تعریف میں داخل نہیں، اس لئے اس کی وصیت درست نہیں، مال کی وصیت پر جسم واعضاء کی وصیت کو قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ جو نص خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے، اس پر دوسری مسائل کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، نیز یہاں پر مقیس اور مقیس علیہ میں مغائرت ہے اتحاد نہیں ہے، اس لئے جسم واعضاء کے عطیہ دینے کی وصیت ناجائز ہے، لہذا انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کو عطیہ اور ہبہ کر کے کوئی نیکی نہیں کما سکتا، چنانچہ کتب فقہ وفتاوی میں بصراحت موجود ہے:

"ومن شرائط الوصية أن يكون الرجل مالكاً وكون الشئى قابلاً للتمليک" (البحر الرائق ۸/ ۴۰۳، ردالمحتار ۶/ ۴۵۹)۔

(وصیت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ موصی شئی کا مالک ہو اور جس چیز کی وصیت کی جارہی ہو وہ قابل تملیک بھی ہو)۔

یہ بات پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ انسان نہ مال ہے اور نہ ہی قابل تملیک ہے اس لئے انسانی اعضاء کے عطیہ دینے کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں۔

صاحب مبسوط شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

"ثم التبرع بعد الوفاة معتبر بالتبرع فی حالة الحیاة وذلک إحسان مندوب إلیه بعد الموت" (مبسوط ۲۷/ ۱۴۲)۔

(پھر مرنے کے بعد کسی چیز سے تبرع اور نیکی کرنے کی شرعی حیثیت اس پر موقوف ہے کہ زندگی میں انسان اس چیز سے تبرع اور نیکی کرسکتا ہے یا نہیں یہی حکم مرنے کے بعد وصیت کرکے تبرع کرنے کا ہے اور یہ ایک امر مستحسن ہے اسی طرح مرنے کے بعد وصیت کرکے نیکی حاصل کرنا بھی امر مستحسن ہوگا)۔

یعنی زندگی میں جن اشیاء کی تملیک کرکے یا دوسرے کو ہبہ وعطیہ دے کر انسان نیکی کماسکتا ہے مرنے کے بعد بھی انہی اشیاء کی تملیک یا ہبہ کرسکتا ہے اور زندگی میں جن چیزوں کا ہبہ یا عطیہ دے کر نیکی نہیں کماسکتا مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد ان چیزوں کا ہبہ یا عطیہ دے کر نیکی نہیں کماسکتا اور نہ ہی مرنے کے بعد ان چیزوں کو ہبہ یا عطیہ میں دینے کی وصیت کرسکتا ہے، لہذا اعضاء انسان کے عطیہ وہبہ کرنے کی وصیت ناجائز ہے خصوصاً جبکہ اس طرح وصیت کرنے میں اور اس کی تنفیذ میں بے شمار محرمات اور ناجائز امور کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صاحب البحر الرائق ابن نجیم نے بحر الرائق (۷/ ۴۰۴) میں تحریر کیا ہے کہ مال کی وصیت بھی اس وقت مستحب ہے جب کہ اس سے ارتکاب حرام لازم نہ آتا ہو ورنہ وصیت جائز نہ ہوگی، نہ ہی ورثاء پر اس کی تنفیذ لازم ہے، لہذا جو لوگ اعضاء انسانی کے بارے میں عطیہ وہبہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں، از روئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی ان کی وصیت باطل ہے، اور کالعدم وغیر شرعی ہے، ایسی وصیت کی تنفیذ ورثاء پر نہ صرف یہ ہے کہ لازم نہیں بلکہ وصیت پر عمل کرنے سے ورثاء اور ذمہ دار افراد گنہگار ہوں گے (از: انسانی اعضاء کا احترام: مولفہ: مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی، ط: کراچی)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ:

''اگر کسی شخص نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوندکاری کے لئے استعمال کئے جائیں جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، از روئے شرع اسے اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں'' (اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۹۸)۔

جواز کے قائلین:

عرب علماء اور باحثین میں معدودے چند ایسے بھی ہیں جنہوں نے اجزاء انسانی کے عطیہ کو جائز قرار دیا ہے جن میں سرفہرست یہ حضرات ہیں:

۱۔ فضیلۃ الشیخ عطیۃ صقر، (الفتاوی الاسلامیہ الصادرۃ من دار الافتاء المصریۃ، فتوی نمبر: ۶۲)۔

۲۔ استاذ احمد محمد جمال (وجہۃ نظر فی زراعۃ الأعضاء الانسانیۃ، ص: ۲۴)۔

۳۔ شیخ عبد القیوم زلّوم (حکم الشرع فی الاستنساخ ونقل الأعضاء، ص: ۹)۔

۴۔ شیخ احمد الشرباصی (تعریف أہل الاسلام بأن نقل الأعضاء حرام، ص: ۱۰)۔

۵۔ شیخ محمد صالح المنجد، (الاسلام سؤال وجواب IslamQA.com فتوی نمبر: ۴۹۷۱۱)۔

۶۔ الشیخ عبد الرحمن بن سعدی (الاسلام سؤال وجواب IslamQA.com)۔

۷۔ ان کے علاوہ کئی فقہی اکیڈمیوں اور مجالس علمیہ نے بھی جواز کا فتوی دیا ہے، مثلاً بین الاقوامی اسلامی کانفرنس (منعقدہ، ملیشیا)، انٹرنیشنل اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ، ہیئۃ کبار العلماء، سعودی عرب، اور فتوی کمیٹی (اردن، کویت، مصر، الجزائر) وغیرہ (المصدر السابق)۔

البتہ خیال رہے کہ یہ حضرات جن کا یہاں تذکرہ ہو رہا ہے یہ بھی انہی اجزاء انسانی کے عطیہ کے جواز کے قائل ہیں جن پر حیات انسانی موقوف نہیں ہے، لہذا اگر کوئی ایسے جزء کا

عطیہ دیتا ہے جس پر زندگی موقوف ہے مثلاً دل اور جگر وغیرہ، تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے البتہ اگر کوئی شخص ایسے جز کو ہبہ کرتا ہے جس پر زندگی موقوف نہیں ہے مثلاً بعض رگیں وغیرہ تو یہ مختلف فیہ صورت ہے، بعض حضرات جواز کے قائل ہیں جب کہ اکثر حضرات اس کو بھی ناجائز مانتے ہیں۔

ایک سروے رپورٹ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجزاء انسانی کے عطیہ کا رجحان تیزی سے بڑھتا جارہا ہے اور مانعین کے اپنے موقف پر اٹل رہنے اور دلائل دینے کے باوجود لوگ زیادہ تر جواز کے قول کو ہی اختیار کرتے نظر آرہے ہیں، اگرچہ بہت سے حضرات ابھی بھی اس کی مخالفت میں ہیں، چنانچہ ایک مشہور عربی ویب سائٹ پر جو رائے شماری کرائی گئی ہے اس کا نتیجہ درج ذیل ہے:
ویب سائٹ نے پہلے سوال قائم کیا ہے پھر ووٹ دینے والوں کی تعداد ذکر کی ہے:

هل أنت مع أو ضد التبرع بالأعضاء بعد الموت؟ (آپ مرنے کے بعد اعضاء کے عطیے سے اتفاق رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے)؟

% مع	67,33	(ہاں)
% ضد	24,39	(نہیں)
% لاأعرف	8,28	(نہیں معلوم)

قائلین جواز کے دلائل:

پہلی دلیل: قرآن کریم:

اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"إن الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة، يقاتلون في

سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون، وعداً علیه حقاً فی التوراۃ والإنجیل والقرآن" (التوبہ:۱۱۱)
(بلاشبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، اور وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں)۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے اہل ایمان سے جان ومال کی خریداری کا تذکرہ کیا ہے، جس سے صاف واضح ہے کہ انسان جس طرح اپنے مالک کا مالک ہے، اور اس میں مالکانہ تصرف کرسکتا ہے اسی طرح اپنی جان وجسم کا بھی مالک ہے وہ اس میں مالکانہ تصرف کرسکتا ہے، لہذا وہ اجزاء جسم کو ہبہ بھی کرسکتا ہے۔

ردنمبر (۱):

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت میں "اشتری" سے مراد اصطلاحی بیع وشرائ نہیں کہ اس سے انسان کے جسم ومالک کی ملکیت ثابت ہو بلکہ یہاں پر ازروئے مجاز شراء کہا گیا ہے، کیوں کہ بیع وشراء میں ایک بائع ہوتا ہے دوسرا مشتری، اور مشتری وہی ہوتا ہے کہ جو شراء سے قبل شئ مبیع کا مالک نہیں ہوتا، اور وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور یہ ذریعہ شراء وہ فروخت شدہ چیز کا مالک بننا چاہتا ہے، آیت مذکورہ میں ایسا نہیں اللہ تعالی انسان کے جسم ومال کا نہ محتاج ہے او رنہ ہی اس کو مالک بننے کی ضرورت ہے، وہ تو پہلے ہی سے سب چیزوں کا مالک حقیقی ہے۔

اگر شراء سے مراد شراء حقیقی ہے تو صاف ہے کہ اللہ تعالی ہر مومن انسان کی جان ومال کا مالک ہوگیا اور یہ چیزیں انسان کے پاس اللہ تعالی کی امانت ہیں، ظاہر ہے کسی مومن کے لئے اس بات کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنی جان ومال میں کسی قسم کا مالکانہ تصرف کرے، نہ کسی کو بیچے نہ ہی ہبہ یا عطیہ دے، ہاں اگر اللہ تعالی نے خود اس کو تصرف کی اجازت دی ہو، جیسا کہ اموال میں باری تعالی نے مالکانہ تصرف کرنے کی اجازت دی ہے،

لیکن انسان جسم وجان میں اس کا اختیار نہیں دیا کہ کسی کو فروخت کردے یا کسی کو ہبہ یا عطیہ کے طور پر دے دے۔

ردنمبر(۲):

اموالہم کا عطف أنفسہم پر ہورہا ہے، اور عطف میں معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے مغائر ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی طرف نفس اور مال کی نسبت ایک جیسی نہیں ہے، اموال میں انسان کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، اسی وجہ سے مال میں سے خود کھا سکتا ہے، اسے فروخت کرسکتا ہے، اس کا ہبہ کرنا اور عطیہ وخیرات کرنا جائز ہے، اس میں وصیت اور وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں بہ خلاف نفس کے کہ نفس انسانی کا مسئلہ مال کے مسئلہ سے جدا ہے، انسان اپنے جسم وجان کا مالک نہیں ہے، اس لئے اس میں مالکانہ تصرف نہیں کرسکتا، نہ اپنے اعضاء میں سے خود کھا سکتا ہے نہ ہی مال کی طرح کسی حصہ کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہبہ یا عطیہ کرسکتا ہے۔

ردنمبر(۳):

اگر آیت سے مال کی طرح جسم میں بھی مالکانہ تصرف کا حق ثابت ہورہا ہے تو اسے اعضاء کی خرید وفروخت کا بھی حق ہونا چاہئے، حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیت بالا سے اجزاء انسانی کے عطیہ کے جواز پر استدلال کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔

دوسری دلیل: حدیث شریف:

"عن حذیفة عن النبی ﷺ قال :کان رجل ممن کان قبلکم یسئی الظن بعمله، فقال لأهله :إذا أنا مت فخذونی فذرّونی فی البحر فی یوم صائف، ففعلوا

به فجمعه الله ثم قال :ما حملک علی الذی صنعت؟ قال :ما حملنی إلا مخافتک، فغفر له" (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، الخوف من اللہ، حدیث نمبر: ۶۴۸۰)۔

(حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی امت (بنی اسرائیل) میں ایک شخص تھا اپنی بدعملی کی وجہ سے اس کو عذاب کا خوف تھا، تو اس نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو میری نعش کو آگ میں جلادینا (فی روایۃ آخری :فأحرقونی) پھر میری راکھ کو گرم دن میں سمندر میں بہادینا، گھر والوں نے وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا، اللہ پاک نے اس کے اجزاء جمع کر کے اس سے پوچھا: تمہیں اس عمل پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے جواب دیا: صرف تیرے خوف نے، تو اللہ تعالی نے اس کو بخش دیا)۔

اعضاء انسانی کے عطیہ کے جواز کے قائل ایک صاحب نے بخاری شریف کی اس روایت سے اس طرح استدلال کیا ہے :

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم واعضاء کے بارے میں وصیت کرسکتا ہے، البتہ جلانے کی وصیت نہیں کرسکتا کیوں یہ اسلامی طریقۂ دفن کے خلاف ہے'' (اجالا، شریعت نمبر: ۱۹۷۹ء پاکستان، بہ حوالہ ''اعضاء انسان کا احترام)۔

ردنمبر (۱):

اسلام سے قبل بنی اسرائیل کے زمانے کے ایک واقعہ کو اسلام میں انسانی اعضاء کی وصیت کے جواز میں پیش کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ شرائع من قبلنا ہمارے لئے حجت نہیں جیسا کہ اپنے مقام پر تفصیل مذکور ہے، اس لئے مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''أما ما أوصی به فلعله کان جائزاً فی شرعهم ذلک لتصحیح التوبة، فقد

ثبت فی شرع بنی إسرائیل قتلهم أنفسهم لصحة التوبة" (فتح الباری ۱۱/ ۳۱۵)۔

(بنی اسرائیل کے آدمی نے جو اپنے جسم کے جلانے اور پھر اس کی راکھ کو سمندر میں اڑانے کی وصیت کی تھی بہت ممکن ہے کہ ان کے مذہب میں اس طرح ازروئے توبہ لاش جلانے کی اجازت ہو جب کہ ان کی شریعت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کے مذہب میں بعض گناہوں کی توبہ قتل نفس پر موقوف تھی)۔

ردنمبر (۲):

حدیث پاک سے تو جلانے کا ثبوت ہو رہا ہے لہذا اس حدیث پاک سے مردے کو جلانے کا بھی جواز ہونا چاہئے، اور اگر وہ جلانے کی وصیت اس لئے نہیں کرسکتا کہ کیوں کہ یہ اسلامی طریقۂ دفن کے خلاف ہے تو اعضاء انسانی کے تبرع کی وصیت بھی تو اسلامی طریقہ کے خلاف ہے اس لیے اس کا جواز کیسے ثابت ہو جائے گا۔

تیسری دلیل: دیت کی نصوص:

قرآن وحدیث میں دیت کے متعلق جو نصوص ہیں وہ بھی واضح الدلالۃ ہیں کہ آدمی اپنے جسم اور اس کے اعضاء کا خود مالک ہے، چنانچہ دکتور احمد جمال کہتے ہیں:

"لو کان الإنسان لا یملک جسده لما شرع الله به حق القصاص و الدیة فی القتل و الجروح" (وجهة نظر فی زراعة الأعضاء الانسانیة، ص: ۲۴)۔

(اور اگر انسان اپنے جسم کا مالک نہ ہوتا تو اللہ تعالی اس کے لئے قتل اور زخم کی صورتوں میں قصاص اور دیت کا ثابت نہ کرتے)۔

ردنمبر (۱):

دیت انسان کی قیمت اور ثمن نہیں ہے بلکہ یہ انسان اور انسانی اعضاء کو نقصان پہنچانے

کا تاوان اور ضمان ہے، اگر دیت انسان یا اعضاء انسان کی قیمت یا ثمن ہوتی تو شریعت کی طرف سے اس کا تعین نہ ہوتا، جیسے دوسرے اموال کی قیمت اور ثمن انسان خود متعین کرتا ہے اس کی قیمت بھی انسان خود مقرر کر سکتا تھا لیکن ایسا کرنا جائز نہیں کہ دیت کی مقدار اور مد میں تبدیلی کی جا سکے۔

"ویمکن الرد علی هذا الاستدلال أن مشروعیة القصاص والدیهإنما شرعت عقوبة للجانی ولیس ذلک لکون الإنسان یملک أعضاءه أو لا یملکها"

(البنوک الطبیہ ص:۷۹)۔

(اس استدلال کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ قصاص اور دیت کی مشروعیت محض مجرم کو سزا دینے کے لئے ہے اس بنا پر نہیں ہے کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے یا نہیں ہے)۔

ردنمبر (۲):

دیت کبھی خود قاتل ادا کرتا ہے اور کبھی یہی دیت عاقلہ یعنی کنبہ وخاندان کبھی اہل دیوان کبھی کمپنی ادا کرتی ہے، کیا انسان کی املاک کی قیمت کنبہ، اہل محلہ اور برادری پر واجب ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر دیت کو انسان یا اعضاء انسان کی قیمت کہنا کس طرح صحیح ہے؟

ردنمبر (۳):

دیت وراثت میں تقسیم ہوتی ہے کیوں کہ "ضمان" املاک میں شامل ہو جاتا ہے۔ کیا مردہ انسان کو بھی بہ حیثیت املاک وراثت میں تقسیم کیا جائے گا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دیت اور انسان میں فرق ماننا ضروری ہوگا، انسان املاک میں شامل نہیں جب کہ دیت املاک میں شامل ہو جاتی ہے۔

ردنمبر (۴):

اگر دیت انسان کی قیمت ہوتی تو تمام آزاد لوگوں کی ایک ہی دیت نہ ہوتی بلکہ فرق

مراتب کے اعتبار سے قیمت کا تعین ہوتا (انسانی اعضاء کا احترام ص: ۵۴)۔

چوتھی دلیل: ہدایہ کی عبارت:

ہدایہ میں ہے:

”**إن الأطراف یسلک بها مسلک الأموال فیجری فیها البذل بخلاف الأنفس**“ (۳۰۵/۳) (یعنی اعضاء انسان کو اموال کی جگہ رکھا جاتا ہے لہذا اس میں بذل ہوسکتا ہے بہ خلاف نفس کے کہ اس میں بذل نہیں ہوسکتا ہے)۔

اس فقہی عبارت سے بعض حضرات نے استدلال کیا کہ اعضاء انسان مال کے قائم مقام ہیں، جس طرح مال کے اندر بذل اور خرچ ہوسکتا ہے اسی طرح اعضاء انسان میں بھی بذل اور خرچ ہوسکتا ہے، یعنی جس طرح انسان مال میں تصرف کرسکتا ہے اعضاء میں بھی کرسکتا ہے۔

ردنمبر(۱):

یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اعضاء انسان میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بذل ہوسکتا ہے جب کہ کسی کا شخصی حق قصاص وغیرہ آرہا ہو یا انسان اپنے نفس سے کسی ضرر کو دفع کرنا چاہتا ہو، یا کسی عضو کے بذل پر اس کے دوسرے اعضاء یا جسم کی حفاظت وصحت موقوف ہو، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ بذل اور ہبہ ایک شئی نہیں ہے یہ ساری باتیں ہدایہ کی مکمل عبارت پر غور کرنے سے بالکل واضح ہوجاتی ہیں۔

ردنمبر(۲):

بذل کرنے کے جواز سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے بلکہ بذل کرنے کے جواز اور ہبہ وتملیک کے عدم جواز سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم واعضاء اباحۃً تو استعمال کرسکتا ہے لیکن کسی دوسرے کو منتقل نہیں کرسکتا۔

پانچویں دلیل:

عورت کے دودھ سے علاج کرنا جب کہ اس میں شفا متعین ہو جائز ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اعضاء کی پیوند کاری کے لئے دوسرے انسان کے اجزاء کا عطیہ اور اس کے ذریعہ پیوند کاری جائز ہے۔

رد:

دودھ کے مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس سے علاج بہ وقت ضرورت جائز ہے یا نہیں، اس میں دو قول ہیں: ایک قول ناجائز کا ہے اور یہی ظاہر روایت ہے کیوں کہ اجزاء انسان میں سے ہے۔ دوسرا قول جواز کا ہے کیوں کہ دودھ کی شریعت نے شیر خوار بچے کی ضرورت کے لئے اجازت دی ہے۔ کمافی ردالمحتار ص: ۱۵۶، لہذا جب شفا کا علم اور یقین ہو تو اس سے تداوی کی اجازت ہوگی، لیکن اعضاء انسانی کی خرید و فروخت اور علاج کے لئے اس کی قطع و برید کے ناجائز ہونے میں کسی ایک فقیہ کا بھی اختلاف نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کے نزدیک دودھ کا مسئلہ دوسرے اعضاء سے مختلف ہے، لہذا اعضاء انسانی کے مسئلے کو دودھ پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا، نیز یہ کہ مختلف فیہ مسئلہ پر متفق علیہ مسئلہ کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

شرائط جواز:

جن فتاوی یا اکیڈمیوں کی تجاویز میں اعضاء کے نقل یا عطیہ کی اجازت دی گئی ہے، ساتھ ساتھ چند شرائط کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بعض کا تعلق زندہ سے اور بعض کا مردہ سے ہے اور بعض شرائط دونوں کے درمیان مشترک ہیں، مجموعی اعتبار سے وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے جسم کے کسی جزء کا ہبہ کرنے والا شخص متبرع ہو یعنی یہ عطیہ بلا عوض ہو کسی

مادی منفعت یا نفع کے بدلے میں نہ ہو۔

۲۔ یہ عطیہ متبرع کے اختیار اور کامل رضامندی سے ہو، اس پر کوئی جبر اور اکراہ نہ ہو۔

۳۔ اس بات کا ظن غالب ہو کہ عطیہ دینے کے بعد عطیہ دہندہ ضرر عظیم یا ہلاکت کا شکار نہیں ہوگا۔ لہذا ایسے کسی بھی عضو کا عطیہ حرام قرار پائے گا جس پر زندگی موقوف ہو یا جس کے نہ ہونے سے زندگی دوبھر ہو جائے۔

۴۔ میت کے جسم کا کوئی حصہ منتقل کرنے کی صورت میں ضروری ہے کہ اس بات کا تیقن ہو جائے کہ یہ شخص مر چکا ہے اور اس کے اندر زندگی کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا ہے۔

۵۔ عطیہ دہندہ کی منظوری اور اجازت یا اس کے ولی کی اجازت ہو۔

۶۔ جس کو بہ طور عطیہ دیا جا رہا ہے وہ اس جزء انسانی کا محتاج اور اضطرار کی حد تک پہنچ چکا ہو، اس طور سے کہ اس کی زندگی یا اس کے جسمانی نظام کی درستگی اسی عضو پر موقوف ہو۔

۷۔ اس عطیے کی وجہ سے عطیہ دہندہ کے جسم میں کوئی بڑا عیب اور ظاہری بگاڑ پیدا نہ ہو۔

۸۔ عطیہ دہندہ کامل الاہلیت ہو۔

۹۔ اس بات کا ظن غالب ہو کہ یہ آپریشن کامیاب رہے گا اور مریض اس کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔

۱۰۔ جس شخص کو بہ طور عطیہ دیا جا رہا ہے وہ مباح الدم نہ ہو، مثلاً مرتد یا زانی محصن یا ناحق کسی اور کو قتل کرنے والا نہ ہو۔

۱۱۔ اس مریض مضطر کے علاج کے لئے اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت نہ ہو۔

۱۲۔ لازمی طور سے یہ احتیاط برتی جائے کہ اس سے عطیہ دہندہ کی موت نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے انسانی اعضاء کی اسمگلنگ کا ذریعہ بنایا جائے گا (دیکھئے: البنوک الطبیۃ البشریۃ، ص: ۱۱۲۔۱۱۵)۔

فصل ثالث:

علماء برصغیر کے فتاوی

علماء برصغیر بھی اجزاء انسانی کے عطیہ کے عدم جواز کے قائل رہے ہیں، ہم ذیل میں چند نمائندہ فتاوی نقل کررہے ہیں جس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجائے گی۔

سب سے پہلے ہندوستان کے علماء اور مفتیان کرام کے فتاوی پیش خدمت ہیں، عرصہ قبل جمعیۃ علماء ہند کے ادارہ ''المباحث الفقہیہ'' نے اس حوالے سے ایک سوالنامہ علماء ومفتیان کی خدمت میں بھیجا تھا، اس موقع پر جو جوابات موصول ہوئے ہم موضوع سے متعلق اجزاء کو ''انسانی اعضاء کا احترام'' کے حوالے سے یہاں نقل کررہے ہیں۔

ا۔حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند:

''کوئی شخص اپنے کسی عضو کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ صرف نگراں اور محافظ ہوتا ہے، اس لئے حکم شرع کے خلاف اس میں کسی تصرف کا حق بھی نہیں ہوتا، لہذا کسی عضو کا زندگی میں فروخت، یا ہبہ کرنا، مرنے کے بعد کے لئے دینے کی وصیت کرنا، کچھ بھی جائز نہ ہوگا، خون اور تمام اعضاء انسانی کے لئے شریعت مطہرہ کا یہی حکم ہے، اور خون کے استعمال کی جو گنجائش ہے وہ صرف وقتی اور عارضی ہے، اور حالت اضطرار کے ساتھ مخصوص ہے، وہ اجازت بھی صرف خون کے ساتھ خاص ہے اور کسی عضو کے لئے متحقق نہیں ہوتی، اس لئے کسی عضو کو خون پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا، بنابریں آنکھوں کی تبدیلی وغیرہ کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے''۔

۲۔حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی سابق مفتی دارالعلوم دیوبند:

(ڈاکٹر محمد فاروق مقیم امریکہ کے استفتاء کے جواب میں ایک طویل تحریر سے ماخوذ)

''زندہ یا مردہ انسانوں کا کوئی حصہ کاٹ کر ایک کا دوسرے میں لگانا، اس کی شریعت میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کی نظر میں بڑا مکرم ومحترم ہے، **''ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر''**، انسانی جان کی شریعت اسلامیہ میں بڑی قدر قیمت ہے، اس جان کی بقا کے لئے اوپر نقل کیا جاچکا ہے کہ حرام اشیاء تک کھانے کی اجازت دی گئی ہے، مگر خود انسان کے کسی حصہ جسم کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی دوسرے سے کہے، میرا فلاں حصہ جسم کاٹ کر کھاؤ تو اس کے لئے کھانا جائز نہ ہوگا، انسان کا گوشت حالت اضطرار میں مباح نہیں ہوتا ہے کیوں کہ اس کی مکرمت کا یہی تقاضا ہے، **''وإن قال له :اقطع یدی وکلها لا یحل، لأن لحم الإنسان لا یباح فی الاضطرار لکرامته''** (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ) جب مضطر کو اس کی اجازت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کا مرجانا برداشت ہے مگر انسان کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں ہے، اس پر قیاس کرکے یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک انسان کا کوئی حصہ علاحدہ کرکے دوسرے انسان کے جسم میں لگانا بھی درست نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ بھی انسان کی بے حرمتی ہے، جسے اسلام برداشت اور گوارا نہیں کرتا، فقہاء لکھتے ہیں :

''بطل بیع صبی وشعر الإنسان لکرامة الآدمی ولو کافراً ذکره المصنف'' (درمختار)۔

''قوله :شعر الإنسان ولا یجوز الانتفاع به بحدیث:لعن الله الواصلة والمستوصلة قوله ذکره المصنف حیث قال:والآدمی مکرم شرعاً وإن کان کافراً فإیراد العقد علیه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلاله أی وهو

غیر جائز'' (ردالمحتار ۴/ ۱۴۵، ط: نعمانیہ)۔

یعنی آدمی کا بچہ فروخت کرنا باطل ہے اور اسی طرح انسان کے بال بیچنا بھی باطل ہے اس کی وجہ آدمی کا قابل احترام ہونا ہے گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، یعنی انسانوں کے بالوں سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے، اور اس کی بنیاد اس حدیث پاک پر ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی اس عورت پر لعنت کرے جو اپنے بال دوسری عورت کو دے اور اس پر جو وہ بال لے کر اپنے بال میں ملائے پھر آدمی کی مکرمت شرعاً ثابت ہے، خواہ اس کا مذہب اور دھرم کچھ بھی ہو تو اس کی بیع وشراء اس کو بے قیمت کرنا اور جمادات میں شامل کرنا اس کی تذلیل کے مترادف ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

اس بنیاد پر ہم یہی فتوی دیتے ہیں کہ مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مرتے وقت یہ کہے کہ مرنے کے بعد میرے اعضاء نکال کر دوسرے ضرورت انسان کو لگانے کی اجازت ہے یا میرے ایسے کارآمد اعضاء ایسا بینک کو سپرد کر دیئے جائیں جہاں مردے کے کارآمد اعضاء کو محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے ناجائز ہے کہ یہ طریقہ بھی انسان کی بے حرمتی کا باعث ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں خواہ وہ اپنے اعضاء قیمتاً دینے کی وصیت کر جائے یا بلا قیمت، اور اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان مرتے وقت ایسا کہہ بھی جائے تو اس کے مرنے کے بعد اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ مرنے کے بعد اس نعش کی حفاظت اس کے وارثوں اور دوسرے مسلمانوں کے فرائض میں داخل ہوگی، مسلمانوں کی نعش کا مرنے کے بعد چیر پھاڑ کرنا یا اس کا بیچنا حرام ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے : ''**وکذا لم یجز کسر عظام میت کافر**'' (ردالمحتار باب البیع الفاسد ۴/ ۱۴۵)۔

کافر کی لاش کی ہڈی کا توڑنا بھی اس احترام آدمیت کی وجہ سے جائز قرار نہیں دیا گیا ہے، جب کافر نعش کے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں ہے تو پھر مسلمان نعش کے ساتھ یہ کیسے جائز

ہوسکتا ہے۔

حدیث بھی ہے :''کسر عظام المیت ککسر عظم الحی أو کما قال''(انسانی اعضاء کا احترام ص:۱۱۶۔۱۱۸)(مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا)۔

۳۔حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند:

''اعضاء انسانی انسان کی ملکیت نہیں ہیں، خدائے پاک نے اس کو امانت کے طور پر دیئے ہیں، لہذا انسان کو جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے اسی طرح اپنا کوئی عضو کسی دوسرے انسان کو دینا بھی حرام ہے، حتی کہ ضرورت اور اضطرار کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے، خرید وفروخت یا ہبہ اپنی ملکیت میں ہوتا ہے، اعضاء انسانی جب اپنی ملکیت میں نہیں تو ان میں کسی قسم کا تصرف بھی جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ عالمگیری کے اس جز سے لیا گیا ہے:

''مضطر لم یجد میتة و خاف الهلاک فقال له رجل :اقطع یدی و کلها أو قال :اقطع منی قطعة و کلها لا یسعه أن یفعل کذلک و لا یصح أمره به''۔

۴۔حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور:

''اعضاء انسانی نہایت محترم ہیں، ان کا استعمال وابتذال حسب تصریح فقہاء جائز نہیں ہے، اس لئے ان کے بارے میں کسی کو وصیت کرنا بھی درست نہیں ہے، نیز یہاں ضرورت کا وہ درجہ بھی مستحق نہیں ہوتا جس کی بنا پر اشیاء محرمہ کا استعمال جائز ہوجاتا ہے، اس لئے نہ شرعاً ایسی وصیت کا اعتبار کیا جائے گا اور نہ اطباء کے لئے اعضاء موتی کا استعمال حلال ہوگا''۔

۵۔حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد:

''انسان کے اعضاء بھی لوجہ الحرمۃ مال نہیں ہیں، ''المال اسم لغیر الآدمی خلق لمنفعة مطلقة شرعاً '' (شامی ۵/۳۶۰)۔ انسانی اعضاء کا استعمال بہرحال ممنوع

وحرام ہے، اوراس کی خرید وفروخت ممنوع ہے، ہبہ ووصیت بھی ناجائز ہے، ان کا بینک قائم کرنا جرم عظیم ہے نہ ان کے ذریعہ علاج درست ہے نہ ان کی پیوندکاری جائز ہے، موتی کی آنکھیں لگوانا یا انسانی آنکھ کی خرید وفروخت کرنا یا اپنی آنکھوں کے لئے وصیت کرنا ناجائز اورحرام ہے''۔

۶۔حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:

''ان تمام عبارات واصول سے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ زندہ انسان کے کسی عضو کے استعمال کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، اب رہا مردہ انسان کے اعضاء کا معاملہ تو وہ بھی انہیں دلائل سے صاف ہوجاتا ہے، اس طرح کہ احترام انسانیت کا اصول زندہ ومردہ دونوں کے بارے میں ہے، جو احادیث سے مستفاد ہوتا ہے، مثلاً ''**أذی المومن فی موته کأذاه فی حیاته**'' (**ابن ابی شیبه**)، **اور کسر عظم المیت ککسره حیاً** (ابوداؤد ۲/۱۰۲، موطا مالک ص: ۹۰ نیز مسند احمد وابن ماجہ)، چنانچہ علماء نے ان احادیث سے یہی مطلب سمجھا بھی ہے، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں فرمایا ہے: **حاصله أن عظم المیت له حرمة مثل حرمة الحی فکان کاسره فی انتهاک الحرقة ککاسر عظم الحی**، اورشارح موطا زرقانی فرماتے ہیں: **للاتفاق علی حرمة فعل ذلک به فی الحیاة والممات** (اوجز المسالک ص: ۵۰۷۔۵۰۸)۔

مزید یہ کہ مردہ کا کوئی عضو کاٹ کر علاحدہ کرکے مثلہ ہونے کی وجہ سے ایک اور محظور شرعی کے ارتکاب کا موجب بھی ہوگا، مذکورہ بالا نقول سے یہ حکم تمام علماء امت کے درمیان متفق علیہ معلوم ہوتا ہے، معجم فقیہ ابن حزم الظاہری کی عبارت بھی اس کی موید ہے: ''**أکل المحرمات وشرابها عند الضرورة حلال حاشا لحوم بنی آدم وأما القتل من تناوله فلا یحل من ذلک شئی**'' (معجم ابن حزم ۳/۵۱۷)''۔

۷۔حضرت مولانا مفتی وجیہ الدین خان صاحب رامپور:

''آدمی کے اجزاء سے انتفاع حرام ہے اور میت کی بے حرمتی بھی حرام ہے، جب کہ وہ مسلمان بھی ہو، اس لئے آنکھوں کا نکالنا اور دوسرے کو لگانا جائز نہیں ہے، اور یہاں حالت اضطرار بھی موجود نہیں ہے نابینا ہونے کی حالت میں بھی انسان زندہ رہتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ کمی زیادتی کا فرق ہے لیکن اتنا فرق محرمات شنیعہ کے لئے مجوز نہیں ہوتا''۔

علماء پاکستان و بنگلہ دیش کے فتاوی:

(یہ فتاوی تفصیل کے ساتھ ''انسانی اعضاء کا احترام'' میں موجود ہیں ہم صرف بعض اجزاء نقل کر رہے ہیں)

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاون، کراچی:

''چوں کہ انسانی اعضاء مالک نہیں ہیں اور نہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے، اس لئے اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کا نہ ہبہ کرسکتا ہے، نہ عطیہ دینے کی وصیت کرسکتا ہے، انسان کو اپنے جسم کے استعمال کا حق ہے یعنی اس سے انتفاع حاصل کرسکتا ہے لیکن اپنے اعضاء کے مالک نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو نہ فروخت کرسکتا ہے نہ کسی کو عطیہ یا ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے، جس طرح دوسرے کے جسم و اعضاء کو نقصان پہنچانا جرم ہے اور گناہ، خود اپنے جسم و اعضاء کو نقصان پہنچانا بھی حرام اور گناہ ہے، فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

''ویؤخذ منه أن جناية الإنسان على نفسه كجناية على غيره في الإثم لأن نفسه ليست ملكاً له مطلقاً بل هي لله تعالى فلا يتصرف فيها إلا بما أذن فيه'' (۵۳۹/۱۱)۔

یعنی خودکشی کرنے کی ممانعت والی حدیث سے یہ حکم نکلتا ہے کہ جو انسان اپنے آپ کو

ہلاک کرے اور نقصان پہنچائے اس کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ دوسرے ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کا گناہ، کیوں کہ انسان کا جسم وجان اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے، بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالی کی ملکیت ہے، انسان کو صرف اس سے کام لینے کا اختیار ہے کام بھی وہ جن کے متعلق اللہ کی طرف سے اذن واجازت ہے'' (ص:۱۳۶)۔

۲۔ دارالافتاء دارالعلوم کورنگی کراچی:

''خلاصہ یہ کہ انسان کے اعضاء کے استعمال کرنے میں انسان کی اجازت سے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے'' (ص:۱۲۵)۔

۳۔ دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور:

''انسان اپنے اعضا کا مالک نہیں ہے جیسے بھوکے کو ہاتھ کاٹ کر دینا حرام ہے یہ سب بھی گناہ اور حرام ہے (ص:۱۳۵)۔

۴۔ دارالافتاء جامعہ اسلامیہ عبیدیہ نانو پور چٹاگام، بنگلہ دیش:

''انسان اپنے مفقود اعضاء کی جگہ پر دوسرے زندہ یا مردہ انسان کے اعضاء کی پیوند کاری سے علاج نہیں کرسکتا، کیوں کہ کوئی انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ومختار نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان زندہ ومردہ دونوں صورت میں محترم ومکرم ہے، ایک آدمی کا عضو دوسرے آدمی میں لگادینا خواہ ضرورت علاج سے ہو تکریم انسانی کے خلاف ہے، اس لئے بھی جائز نہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے تغییر خلق اللہ لازم آتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ انسانی اعضاء سے کسی حال میں علاج کرنا شرعاً درست نہیں، لہذا ایک آدمی کا قرنیہ دوسرے آدمی کی آنکھوں میں لگانا ناجائز وحرام ہے ..... چوں کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ومختار نہیں ہے اس لئے اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کا معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ کسی

دوسرے انسان کو دینا جائز نہیں، اور وصیت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیوں کہ وصیت کے لئے بھی شئ موصی بہ کا مالک ہونا ضروری ہے، جب کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں بلکہ یہ جسم اور اعضاء اس کے پاس امانت خداوندی ہیں، کسی دوسرے کو دینا امانت میں تصرف ہے اور امانت میں تصرف جنایت ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے'' (ص:۱۳۹)۔

فصل رابع:

مختلف فقہی اکیڈمیوں کے فیصلے

انٹرنیشل فقہ اکیڈمی جدہ کا فیصلہ:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے سمینار منعقدہ جدہ سعودی عرب مورخہ ۱۸۔ ۲۳/ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۶۔ ۱۱/فروری ۱۹۸۸ء میں مذکورہ موضوع پر پیش کئے جانے والے فقہی اور طبی مقالات اور مباحثہ سے یہ بات سامنے آئی کہ سائنسی اور میڈیکل ترقی کے نتیجہ میں یہ موضوع ایک حقیقت بن چکا ہے اور اس کے کچھ مفید نتائج کے ساتھ ساتھ بیشتر حالات میں انسانی شرف وکرامت کی پاسداری کرنے والے شرعی ضوابط واصول سے گریز کی وجہ سے نفسیاتی اور سماجی نقصانات بھی سامنے آرہے ہیں، دوسری جانب اسلامی شریعت کے مقاصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو فرد و جماعت ترجیحی مصالح کی تکمیل کرتے ہیں اور باہمی تعاون وہمدردی اور ایثار کی دعوت دیتے ہیں۔

اصل موضوع بحث اور جواب طلب امور کی تجدید اور ان حالات، صورتوں اور قسموں کے انضباط جن کے حسب حال علاحدہ علاحدہ احکام مرتب ہوں گے، کے بعد اکیڈمی نے اجلاس میں درج ذیل امور طے لیے :(اس کے بعد تعریف اور اقسام کے عنوان سے ضروری وضاحت کے بعد شرعی احکام ذکر کئے گئے ہیں)۔

شرعی احکام:

اول: کسی انسان کے جسم کا کوئی عضو اسی انسان کے جسم میں دوسری جگہ لگانا اس

اطمینان کے بعد جائز ہوگا کہ پیوند کاری سے متوقع فائدہ اس پر مرتب ہونے والے نقصان سے زائد ہو نیز اس کا مقصد کسی مفقود عضو کو وجود میں لانا یا اس کی شکل کو بحال کرنا یا اس کے مفقود وظیفے کو بحال کرنا یا کسی عیب کی اصلاح یا کسی ایسی بدصورتی کا ازالہ ہو جو اس شخص کے لئے نفسانی یا جسمانی اذیت کا سبب بنتی ہو۔

دوم: کسی انسان کا عضو (حصہ وجسم) دوسرے انسان کے اندر منتقل کرنا ایسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ وہ از خود تیار ہوتا رہتا ہو، جیسے خون اور جلد اس شرط کے ساتھ کر دینے والا کامل اہلیت رکھتا ہو اور معتبر شرعی شرائط ملحوظ رکھی گئی ہوں۔

سوم: ایسا عضو جو کسی مرض کی وجہ سے جسم سے نکال دیا گیا ہو اس کے کسی حصہ سے استفادہ دوسرے شخص کے لئے جائز ہے مثلاً کسی مرض کی وجہ سے کسی شخص کی آنکھ نکال دی گئی ہو تو اس آنکھ کے قرنیہ ( ) سے استفادہ۔

چہارم: ایسا عضو جس پر زندگی کا دارومدار ہے جیسے قلب، اسے کسی زندہ انسان سے دوسرے انسان کے اندر منتقل کرنا حرام ہے۔

پنجم: کسی زندہ انسان کے ایسے عضو کو منتقل کرنا جس پر اگرچہ اصل زندگی کا دارومدار تو نہ ہو لیکن اس کی عدم موجودگی سے زندگی کا ایک بنیادی وظیفہ موقوف ہو جاتا ہو یہ جائز نہیں ہے: جیسے دونوں آنکھوں کے قرنیوں کو منتقل کرنا، اگر اس منتقلی سے کسی بنیادی وظیفہ کا ایک حصہ متاثر ہوتا ہو تو اس کا حکم قابل غور ہے جیسا کہ آگے (دفعہ ۸) میں آرہا ہے۔

ششم: کسی میت کا ایسا عضو کسی زندہ انسان کے اندر منتقل کرنا جائز ہے جس عضو پر زندگی کی بقا یا کسی بنیادی وظیفہ کی سلامتی منحصر ہو بشرطیکہ خود میت نے اپنی موت سے پہلے یا اس کے موت کے بعد اس کے ورثہ نے اور اگر میت کی شناخت نہ ہو یا لاوارث ہو تو مسلمانوں کے سربراہ نے اس کی اجازت دی ہو۔

ہفتم: یہ بات واضح رہے کہ جن صورتوں میں اعضاء کے منتقلی کے جواز پر اتفاق ہوا ہے وہ اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ ان اعضاء کا حصول خرید وفروخت کے بغیر ہوا ہو، کیونکہ کسی بھی حال میں اعضاء انسانی کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، البتہ استفادہ کرنے والے کا مطلوبہ عضو کے حصول کے لئے بوقت ضرورت یا اعزاز وانعام کے طور پر مال خرچ کرنا محل غور ہے۔

ہشتم: مذکورہ حالات اور صورتوں کے علاوہ وہ تمام صورتیں جو اس موضوع سے تعلق رکھ سکتی ہیں وہ سب محل نظر ہیں، طبی تحقیقات اور شرعی احکام کی روشنی میں ان پر آئندہ سمینار میں غور وفکر کی ضرورت ہے، واللہ اعلم (انٹرنیشل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے، ص: ۱۲۷۔۱۳۰)۔

مکہ مکرمہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے اس دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا جو اپنی زندگی بچانے کے لئے یا بنیادی اعضاء کے عمل میں سے کسی عمل کو بحال کرنے کے لئے اس کا ضرورت مند ہو ایک جائز عمل ہے جو عضو دینے والے کے حوالے سے انسانی کرامت کے منافی نہیں ہے، دوسری طرف یہ عضو لینے والے کے حق میں ایک نیک تعاون اور بڑی مصلحت پر مبنی خدمت ہے جو ایک جائز اور قابل تعریف عمل ہے، بشرطیکہ درج ذیل شرائط موجود ہوں:

۱۔ عضو کے لینے سے اس شخص کی طبعی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچے جو اسے دے رہا ہے کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ کسی نقصان کے ازالہ کے لئے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارہ نہیں کیا جائے گا نیز اس لئے بھی کہ ایسی صورت میں عضو کی پیش کش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف ہوگی جو شریعت میں ناجائز ہے۔

۲۔ عضو دینے کا عمل عضو دینے والے کی طرف سے رضا کارانہ اور بغیر کسی دباؤ کے ہو۔

۳۔ضرورت مند مریض کے علاج کے لئے عضو کی پیوندکاری ہی طبی نقطہ نظر سے تنہا ممکن ذریعہ رہ گیا ہو۔

۴۔عضو لینے اور عضو لگانے کے عمل کی کامیابی غالباً یا عادۃً یقینی ہو (المجمع الفقہی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے ص: ۱۹۹۔۲۰۰، ایفا پبلیکیشنز)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ:

اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا کرنہیں سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی، اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری، کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس خراب گردہ کو اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ۱۹۷۔۱۹۸)۔

باب دوم

مختلف قسم کے طبی بینک

پہلی فصل خون کا بینک (Blood Bank)

دوسری فصل دودھ بینک (Milk Bank)

تیسری فصل منی بینک (Sperm Bank)

چوتھی فصل آنکھ بینک (Eye Bank)

پانچویں فصل کھال بینک (Skin Bank)

فصل اول:

مختلف قسم کے طبی بینک

طبی ضروریات کے پیش نظر جسم انسانی سے تعلق رکھنے والی بہت سی اہم اشیاء کے لئے حفاظتی مقامات کا نظم ہے جہاں ایسی چیزوں مثلاً خون، منی وغیرہ کو مناسب مقدار میں جمع کیا جاتا ہے، اور ضرورت پڑنے پر مریضوں کو دستیاب کرایا جاتا ہے، اس طرح کے بنکوں کے قیام اب عام سی بات ہوگئی ہے، ذیل میں ہم ایسے بنکوں کا مختلف زاویوں سے جائزہ لے کر شرعی احکام واضح کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

خون کا بینک (Blood Bank):

تعریف:

بلڈ بینک کی باضابطہ تعریف عموماً باحثین نے نہیں کی ہے، تاہم دکتور اسماعیل مرجا نے بعض عمومی تعریفات اور مفاہیم کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف الفاظ میں اس کی جامع تعریفات کی کوشش کی ہے، ذیل میں ان میں سے تین تعریفات ذکر کی جارہی ہیں:

۱۔ "**هو مستودع للدماء يمكن استخدامها حين الحاجة إليها**" (بلڈ بینک ایسے خون کا اسٹور ہے جسے بہ وقت ضرورت استعمال کیا جاسکتا ہے)۔

۲۔ "**هو عبارة عن مخازن أو أجهزة يتم الاحتفاظ بالدم المسحوب من المتبرعين، وذلك داخل ثلاجات خاصة تحفظ بها**" (بلڈ بینک نام ہے ایسے گوداموں کا جہاں رضا کارانہ طور پر دینے والوں کو خون خاص طرز کے فریج کے اندر محفوظ رکھا

جاتا ہے۔

۳۔ ''**هو عبارة عن مركز مخصص مجمع الدم من المتبرعين أو من الذين يعطون دماءهم مقابل ثمن معين و من ثم يبا ع أو يعطى لمن يحتاجه**'' (البنوک الطبیہ، ص: ۲۲۲۔۲۲۳)۔

(وہ ایک ایسا سینٹر ہے جہاں رضا کارانہ طور پر مخصوص رقم کے عوض دینے والوں کا خون جمع کیا جاتا ہے اور وہاں سے ضرورت مندوں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا ہے، یا بایں طور عطیہ انہیں دیا جاتا ہے)۔

قیام کا پس منظر:

بلڈ بینک یا خون کا حفاظتی مرکز چند ایام یا چند مہینوں کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ اس کا وجود خون منتقل کرنے کے ذرائع کی مرحلہ وار ترقی کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا ہے، اور آج یہ ترقی کے اعلی معیار تک پہنچ چکا ہے، خون کو محفوظ رکھنے کا عمل کئی مراحل سے گزرا ہے، انیسویں صدیق کے آغاز تک یہ طریقہ رائج رہا کہ کسی کا خون لے کر اسے فوراً ہی ضرورت مند کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا تھا، اس کو محفوظ رکھنے کا کوئی نظام نہیں تھا، بلڈ گروپ کی دریافت کے بعد اگرچہ خون منتقل کرنے کے عمل میں کافی بہتری آئی اور اس عمل کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد میں کمی دیکھی گئی تاہم براہ راست خون پہنچانے کا ہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ڈاکٹر ایسی تکنیک دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے ذریعہ خون منتقل کرنے کے لئے متبرع (Doner) کے موجود ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

خون منتقل کرنے میں مختلف تجربات اور نت نئے اکتشافات کے پس پردہ درحقیقت وہ مختلف جنگیں ہیں جو پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے دوران ہوئیں۔ چنانچہ پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸) کے دوران بڑی وافر مقدار میں متاثر فوجیوں کو خون چڑھایا گیا۔ اسپین کی

خانہ جنگی (۱۹۳۷۔۱۹۳۹ء) نے بھی بڑے پیمانے پر خون کے جمع وحفاظت کے لئے ڈاکٹروں کو متوجہ کیا، اس کے علاوہ دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹۔۱۹۴۵ء) کے دوران خون کی طلب اور زیادہ بڑھ گئی، اور ایک اندازے کے مطابق صرف ایک شہر لندن میں دوسو ساٹھ ہزار لیٹر سے زیادہ خون جمع کر کے مریضوں کو دیا گیا۔

دنیا کا پہلا بینک:

البتہ یقینی طور پر دنیا میں قائم ہونے والے پہلی بلڈ بینک کی تعیین مشکل ہے، اس سلسلہ میں تین رائے ملتی ہے:

پہلی رائے: دنیا کا پہلا بلڈ بینک ۱۹۳۱ء میں روس کے شہر موسکو میں قائم ہوا۔

دوسری رائے: ۱۹۳۶ء میں دنیا کے پہلے بلڈ بینک کا افتتاح سکاگو کے ایک ہسپتال کوک کاؤنٹی میں ہوا۔

تیسری رائے: دوسری عالمی جنگ کے اختتام یعنی ۱۹۴۵ء کے بعد ڈاکٹر اس جانب متوجہ ہوئے۔

اس کے بعد میڈیکل سائنس کی ترقیات کے ساتھ یہ بلڈ بینک ترقی کرتے رہے، یہاں تک کہ اب تو مخصوص خون کے بھی الگ الگ بینک قائم ہو چکے ہیں۔ جیسے UMBILICAL CORD BLOOD BANK اور PLACENTA BLOOD BANK وغیرہ۔ چنانچہ اس نوعیت کا پہلا بینک جرمنی میں ۱۹۹۷ میں قائم کیا گیا۔

ہندوستان کی صورتحال :

وزارت صحت کی ویب سائٹ پر فراہم کردہ اعداد وشمار کے مطابق ہمارے ملک میں اس وقت کل دوہزار پانچ سو پینتالیس (۲۵۴۵) بلڈ بینک ہیں، جن میں سے ۹۸۱ پرائیوٹ

اور ۱۵۶۴ سرکاری ہیں، سب سے زیادہ ۲۸۹ بینک مہاراشٹر میں ہیں۔

خون کے بینک کے نقصانات:

بلڈ بینک کے قیام کے شرعی احکام ذکر کرنے سے پہلے اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ بلڈ بینک کی تمام تر افادیت اور مریضوں کے علاج میں اس کے غیر معمولی نافع ہونے کے باوجود، اس میں جمع شدہ خون کے استعمال میں بہت سارے نقصانات کا بھی اندیشہ رہتا ہے، اور بسا اوقات اس کا خون مریض کے لئے تباہ کن ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ خون کے مفید ثابت کے لئے صرف بلڈ گروپ، HR کی تعیین اور مریض کے خون سے اس کی موافقت ہی کافی نہیں ہے، اور یہ کافی ہے کہ وہ مشینیں گرم ماحول اور جراثیم زدہ آلودگی سے دور ہوں۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی کئی اسباب ہیں جن کے سبب خطرات باقی رہ جاتے ہیں، ذیل میں ایسے چند اسباب کی نشاندہی کی جارہی ہے:

۱۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خون کا عطیہ دینے والوں سے جتنے سوالات ہونے چاہئے وہ نہیں ہوتا ہے، اس لئے پوری طرح تحقیق نہ ہونے کے سبب اس بات کا امکان رہ جاتا ہے کہ کچھ ایسے لوگوں کے خون لے لیے جائیں جو ٹھیک نہ ہوں اور ان کا خون صالح نہ ہو۔

۲۔ کبھی بھول یا غفلت کی وجہ سے بینک میں موجود وہ خون استعمال کرلیا جاتا ہے جو ایکسپائر ہو چکا ہے اور اس کی مدت ختم ہو چکی ہے جس کے نتیجہ میں مریض کی موت تک واقع ہو جاتی ہے۔

۳۔ سپروائزر کی سستی اور بد دیانتی کی وجہ سے خون میں موجود جراثیم کو تحلیل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور یونہی مریض کو چڑھا دیا جاتا ہے اور اس طرح یہ خون اپنے جراثیم اور امراض کے ساتھ مریض کے جسم میں منتقل ہو جاتا ہے۔

۴۔ کبھی بینک میں موجود خون آلودہ ہو جاتا ہے اس آلودگی کے بھی کئی اسباب ہوتے

ہیں، مثلاً:

الف: خون نکالنے کے اوزار یا شیشے یا پلاسٹک کے گلاس کا فرسودہ ہوجانا۔

ب: خون کی حفاظت کے لئے مختص فریج کا درجہ حرارت ۶ سے اوپر پہنچ جانا۔

ج: خون کو مخصوص فریج میں دیر سے رکھا جانا۔

چنانچہ ۱۹۹۸ء میں کناڈا کی ایک رپورٹ میں بتلایا گیا ہے:

''تحقیق کے مطابق کناڈا میں آلودہ خون کی وجہ سے جگر کی سوزش میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد ۶۰ ہزار ہے'' (ثورۃ طبیۃ علی الدم، ص: ۱۱۶، البنوک الطبیۃ، ص: ۲۳۵)۔

۵۔ بہت سی مہلک بیماریاں اس خون کے ذریعہ عطیہ دہندہ کے جسم سے مریض کے جسم میں منتقل ہوجاتی ہیں، ان میں سے چند بیماریاں یہ ہیں:

الف: ایڈز سے متاثر شخص کا خون اگر کسی کو چڑھا دیا گیا تو خون کے ذریعہ اس بیماری کے جراثیم بھی اس کے اندر منتقل ہوجاتے ہیں، سب سے زیادہ پریشان کن اور خطرناک بات یہ ہوتی ہے کہ لیبارٹری کی جانچ اور تحلیل میں ابتدائی مہینوں میں ایڈز کی شناخت نہیں ہو پاتی ہے اس لئے اس کے خون کو صالح سمجھ کر کسی اور کو عطیہ دے دیا جاتا ہے اور وہ خون کے ساتھ ایچ آئی وی وائرس بھی اپنے جسم میں داخل کرلیتا ہے (اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائیں)۔

ب: ملیریا: تحقیق اور تجربے سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ بلڈ بینک میں محفوظ خون میں کبھی ملیریا کے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں جو آٹھ آٹھ دن تک رہ جاتے ہیں۔

۶۔ فریج میں محفوظ کردینے اور ٹھنڈا کردینے کے بعد اس خون میں آکسیجن منتقل کرنے کی وہ طاقت نہیں رہ جاتی ہے جو طاقت تازہ خون میں ہوتی ہے۔

۷۔ ان بینکوں میں کھلے عام خون کی خرید وفروخت ہوتی ہے، جو کہ کرامت انسانی کے خلاف ہے، کہ انسان کے خون کو اس طرح بیچا جاتا ہے جس طرح اموال تجارت کو بیچا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ مزید مضرات اور نقصانات ہیں جو بلڈ بینک کے خون سے لاحق ہوتے ہیں۔ہم نے چند کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

خون کے بینک کا حکم:

بہت سے اہل علم اس کے قیام کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ، جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

''جان بچانے کے لئے مجبوری واضطرار کی حالت میں انسانی خون استعمال کرنے اور اس کا انجکشن لگانے کی تداوی بالحرام کے قاعدہ کے مطابق گنجائش ہے، گنجائش کا مطلب یہ ہے کہ حالت اضطرار کا لحاظ کرتے ہوئے آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا، ایسی مجبوریاں چوں کہ اچانک بھی پیش آتی ہیں اور بسا اوقات بہت زیادہ مقدار کی متقاضی ہوتی ہیں، نیز مریض کے خون کا نمبر اور جو خون چڑھایا جائے اس کا نمبر یکساں ہونا ضروری ہوتا ہے، اس لئے ایک ایک نمبر کی کافی مقدار کا محفوظ رہنا بھی ضروری ہوتا ہے، ان وجوہات کی بنا پر بینک کا قائم کرنا درست معلوم ہوتا ہے، ''لأن الشئی إذا ثبت بجمیع لوازمه''، لہذا اس فراہمی کے محفوظ رکھنے کے جو مناسب طریقے ہوں گے اور ان میں جو اخراجات درکار ہوں گے ان سب کو بھی حدود شرع میں برداشت کرنا ہوگا'' (انسانی اعضاء کا احترام ص: ۱۰۴)۔

مرتب فتاوی دارالعلوم حضرت مولانا ظفیر الدین مفتاحی سابق مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

''ایک انسان کا خون لے کر دوسرے انسان کے جسم میں پہنچانے کی علماء امت نے بہ وقت مجبوری اجازت دی ہے، قاعدہ میں یہ خون انسان کا جزء ہے اور جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے تو ناپاک اور نجس کے حکم میں ہوجاتا ہے، پہلے لکھا جاچکا ہے کہ اسلام کے قانون میں انسان

کی عظمت اور کرامت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کوئی حصہ بیچنا درست نہیں ہے اور اس میں عدم جواز کا فتوی بھی دیا جاتا ہے، اسی طرح ناپاک ونجس کا استعمال بھی درست نہیں ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے مگر حالت اضطرار میں انسانی جان کی خاطر علماء نے اس کی اجازت دی ہے، اس مسئلہ کو انہوں نے دودھ پر قیاس کیا ہے، دوسال کی عمر تک اس کا پینا بچہ کے لئے جائز ہے کہ قدرت نے اس کی طبعی غذا اس کو بنایا ہے، "**والوالدات یرضعن أولادھن حولین کاملین**" (البقرہ)، یہ قرآن کا حکم ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں، اسی کے ساتھ دواءً بڑوں کے لئے بھی اس دودھ کے استعمال کی اجازت دی ہے، "**ولا بأس بأن یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء**" (عالمگیری)۔

جب دودھ جو جزء انسانی ہے اس کا استعمال دواءً جائز قرار دیا گیا ہے اسی طرح بہ طور دواجب کہ اس کا بدل کوئی نہ ہو اور جان کا خطرہ ہو یا صحت کے برباد ہوجانے کا تو ایسی مجبوری میں ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں ڈالا جاسکتا ہے، لیکن اس طرح خون حاصل کرنا ہوگا کہ دوسرا انسان جو خون دے رہا ہے اس کی جان خطرے میں نہ پڑنے پائے، اور حالت اطمینان میں آدمی خون بیچ بھی سکتا ہے اور خرید بھی سکتا ہے۔

"**فأما لبن الآدمیات فقال أحمد :أکرھہ، واختلف أصحابنا فی جوازہ فظاھر کلام الخرقی جواز لقولہ وکل فیہ المنفعۃ وھذا قول ابن حامد ومذھب الشافعی**رحمہ اللہ، **وذھب جماعۃ من أصحابنا إلی تحریم بیعہ وھو مذھب أبی حنیفۃ لأنہ مائع خارج من آدمیۃ، فلم یجز بیعہ کالعرق ولأنہ من آدمی فأشبہ سائر الأجزاء والأول أصح لأنہ لبن طاھر فینتفع بہ فجاز بیعہ کلبن الشاۃ، ولأنہ لا یجوز أخذ العوض عنہ فی إجازہ الظئر فأشبہ المنافع ویفارق العرق فإنہ لا یقع فیہ**" (المغنی لابن قدامہ)، "**وعن أبی یوسف یجوز بیع لبن الأمۃ، وقال الشافعی :یجوز بیعہ أی لبن المرأۃ لأنہ مشروب طاھر**" (ہدایہ)۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی کا دودھ بیچنے میں اختلاف ہے مگر بحث ومباحثہ کے بعد فقہاء نے بہ وقت ضرورت بیچنے کو ترجیح دی ہے، موجودہ زمانے کے علماء نے اس مسئلہ پر قیاس کر کے خون کی فروختگی کو بھی بہ حالت مجبوری جائز قرار دیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ نفس خون کی بیع کے سلسلہ میں صراحۃً کوئی جزئیہ اور نہیں مل سکا ہے، اور نئے مسائل میں دوسرے مسائل پر قیاس کر کے ہی حکم لگایا جاسکتا ہے، خون کی منتقلی کے جواز پر علماء اسلام کا تقریباً اتفاق ہو چکا ہے (حوالہ بالا، ص: ۱۲۰۔۱۲۱)۔

سعودی عرب کی ہیئۃ کبار العلماء کی کونسل نے بھی بلڈ بینک کے قیام کے جواز کی تجویز منظور کی ہے، جو اس طرح ہے:

"یجوز إنشاء بنک إسلامی لقبول ما یتبرع به الناس من دمائهم، و حفظ ذلک لإسعاف من یحتاج إلیه من المسلمین، علی أن لا یأخذ البنک مقابلاً مالیاً من المرضی أو أولیاء أمورهم عوضاً عما یسعفهم به من الدماء، و ألا یتخذ ذلک وسیلة تجاریة للکسب، لما فی ذلک من المصلحة العامة للمسلمین" (الفتاوی المتعلقۃ بالطب وأحکام المرضی، ص: ۳۶۲، البنوک الطبیہ ۲۴۱)۔

(رضا کارانہ طور پر لوگوں کی طرف سے دیئے گئے خون کو قبول کرنے اور ان کی حفاظت کے لئے اسلامی بینک قائم کرنا جائز ہے تا کہ ضرورت مند مسلمانوں کی حاجت روائی ہو سکے، شرط یہ ہے کہ وہ بینک مریضوں یا ان کے اولیاء سے امداد کے لئے دیئے گئے اس خون کا معاوضہ نہ وصول کرے اور نہ اسے کمائی اور آمدنی کا ذریعہ بنائے، بینک کا قیام اس لئے جائز ہے کہ اس سے مسلمانوں کا عام مفاد وابستہ ہے)۔

دلائل جواز:

جن حضرات نے بلڈ بینک کے قیام کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے عمومی اعتبار سے

درج ذیل فقہی اصول وضوابط سے استدلال کیا ہے:

۱۔عصر حاضر میں نقل دم کی زبردست حاجت کی تکمیل اس کے ذریعہ ہوتی ہے، اس طرح اس سے عامۃ المسلمین کی مصلحت عامہ وابستہ ہے، اس لئے اس کے قیام کی اجازت ہے۔

۲۔شریعت مطہرہ میں درء مفاسد اور جلب مصالح کی خاص اہمیت ہے اور اس بینک سے بھی یہی غرض ہوتی ہے۔

۳۔فقہ کا مشہور قاعدہ ہے :"الضرورات تبیح المحظورات"۔

۴۔ایک قاعدہ یہ بھی ہے :"مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب"۔

۵۔جان اور نفس کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے، اور اس طرح کے بینکوں کے قیام ان بہت سی جانوں کی حفاظت ہے جنہیں خود کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

خون کے عطیہ پر انعام واکرام کا حکم:

مسئلے کا حکم شرعی بیان کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہماری یہ گفتگو صرف ان بینکوں یا ہسپتالوں یا اداروں کے متعلق ہے جو رضا کارانہ طور پر خدمت خلق کی نیت سے خون جمع کرتے ہیں تا کہ بہ وقت ضرورت مریضوں کے کام آسکے، ان کا مقصد تجارت کرنا نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ جو ادارے تجارتی مقاصد سے خون جمع کرتے ہیں وہ درحقیقت انعام واکرام کے نام پر معاوضہ ادا کرتے ہیں جو کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، اس لئے وہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔

بہر حال رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دینے والوں کو انعام واکرام کے نام پر جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: جانبین سے اس کی شرط ہوگی، یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ درحقیقت قیمت وصول کرنا ہے اور خون کی قیمت جائز نہیں ہے۔

دوسری صورت: یہ انعامات اور تحائف محض اکرام اور تشجیع کے لئے ہوں، پہلے سے کوئی شرط نہ ہو، تو اس میں معاصر علماء میں اختلاف ہے۔

پہلی رائے: یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، سعودی عرب کی افتاء کمیٹی کا یہی فتوی ہے۔

چنانچہ اس بابت کے لئے سوال کا جواب کمیٹی نے اس طرح دیا ہے:

"أخذ العوض على بذل الدم محرم سواء كان العوض عيناً أو نقداً، والإجماع منعقد على ذلک، ولو كان ذلک على سبيل الهدية، لأنها هدية فی مقابل" (الفتاوی المتعلقۃ بالطب واحکام المرضی، ص: ۳۵۲۔ ۳۵۳)۔

(خون دے کر اس کا عوض وصول کرنا حرام ہے، خواہ عوض سامان کی شکل میں ہو یا نقد کی صورت میں، اور اس پر اجماع ہو چکا ہے، اگرچہ یہ ہدیہ اور تحفہ کے طور پر ہو اس لئے کہ یہ کسی چیز کے عوض میں ہدیہ ہے)۔

دوسری رائے: یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ انعامات تبرعات کی قبیل سے ہیں بیوع اور معاوضات کی قبیل سے نہیں ہیں اور ناجائز خون کا معاوضہ اور بیع ہے، اور یہ بیع اس لئے نہیں ہے کہ بیع نام ہے: مبادلۃ المال بالمال بالتراضی کا، اور خون مال ہی نہیں ہے، نیز عرفاً بھی اس کو بیع نہیں خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کبھی انعام ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے، کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ ہوتا ہے، کوئی کم خون دے یا زیادہ اور کسی بھی گروپ کا خون دے سب کو یکساں انعام اور تحفہ دیا جاتا ہے۔

المجمع الفقہی مکہ مکرمہ کا یہی فیصلہ ہے، چنانچہ ایک قرارداد اس طرح ہے:

"ولا مانع من إعطاءالمال على سبيل الهدية أو المكافأة، تشجيعاً على القيام بهذا العمل الإنسانی الخيری، لأنه يكون من باب التبرعات، لا من باب المعاوضات" (قرارات المجمع الفقہی الاسلامی لرابطۃ العالم الاسلامی ص: ۲۵۵۔۲۵۶)۔

(اس نیک انسانی عمل کی حوصلہ افزائی کی خاطر بہ طور ہدیہ یا انعام کچھ دیا جاسکتا ہے

اس کا تعلق معاوضات سے نہیں بلکہ عطیات سے ہے)۔

شیخ عطیہ سالم کا بھی یہی رجحان ہے (دیکھئے شیخ کی کتاب: الدماء فی الاسلام ص:۱۹)۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی بھی اس کے قائل ہیں (تفصیلات کے لئے دیکھئے: البنوک الطبیہ، ص:۲۶۵)۔

فصل ثانی:

دودھ بینک (Milk Bank)

مختلف اغراض ومقاصد سے دودھ بینک (Milk Bank) کا شیوع بھی عام ہو چکا ہے، مغربی ممالک میں تیزی سے اس کا پھیلاؤ ہوتا جارہا ہے۔ ذیل میں مختلف پہلوؤں سے اس کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

دودھ بینک کی تعریف:

دودھ بینک کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''مركز مخصص لجمع الحليب من أمهات متبرعات، أو من أمهات يعطين حليبهن مقابل ثمن معين، ومن ثم تبيع هذه البنوك الحليب المجموع للأمهات اللواتي يرغبن في إرضاعه لأطفالهن'' (الموسوعة الطبية الفقهية، ص: ۴۸۷، البنوک الطبیہ، ص: ۳۲۲)۔

(ایک ایسا مرکز ہے جہاں ان ماؤں کا دودھ جمع کیا جاتا ہے جو رضا کارانہ طور پر دیتی ہیں یا متعین عوض لے کر، پھر یہ بینک یہ جمع شدہ دودھ ان ماؤں کو فروخت کر دیتے ہیں جو اپنے بچوں کو وہ دودھ پلانا چاہتی ہیں)۔

دودھ بینک کے قیام کا پس منظر:

اللہ رب العزت نے تمام انسانوں کو رضاعت سے لے کر شیوخت کے آخری مرحلے تک زندگی گزارنے کا ایک خاص نہج عطا کیا ہے جسے اختیار کر کے انسان دنیا اور آخرت کی

کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے، ارشاد باری ہے:

"قلنا اهبطوا جميعاً فإما يأتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون" (البقرہ:۳۸)۔

اسی طرح اللہ پاک نے ماں کے پیٹ سے جنم لینے والے بچوں کی پرورش کا بھی ایک خاص نظام متعین کر کے ارشاد فرمایا:

"والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة" (البقرہ: ۲۳۳) (اور مائیں اپنے بچوں کو دوسال کامل دودھ پلایا کریں، یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے)۔

نیز ارشاد فرمایا: **"وإن تعاسرتم فسترضع له أخرى"** (الطلاق:۶) (اور اگر تم باہم کشمکش کروگے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاویگی)۔

لیکن مغربی ممالک کے باشندگان نے اللہ کے اس قانون سے بغاوت کر کے الگ نظام زندگی اپنایا، اور خواتین کو ان کی فطرت کے خلاف مشکل راہ پر ڈال دیا، اور اپنے زعم کے مطابق جب انہیں مساوات اور آزادی کے نام پر زینت خانہ سے زینت محفل بنا کر گھروں سے باہر کر دیا، تو بچوں کی پرورش اور ان کی رضاعت کا سنگین مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا، اب عورتوں کے پاس اتنی فرصت نہیں رہ گئی کہ وہ اپنے لخت جگر کو اپنی چھاتی سے لگا کر اپنے جسم کا طاقتور مادہ دودھ ان کے حلق تک پہنچا سکیں۔ اس لئے متبادل کی تلاش شروع ہوئی، اور متبادل کے طور پر سب سے پہلے جانوروں کے دودھ سے تیار دودھ سے بچوں کی پرورش کی گئی، اور اس طرح کا دودھ سب سے پہلے برطانیہ میں ۱۹۴۳ء میں اور اس کے بعد مختلف ملکوں میں بنایا گیا، لیکن جب مختلف طبی تحقیقات کے نتیجہ میں بچوں کے لئے اس کے مضر اثرات کا علم ہوا، اور ماؤں کے دودھ کی اہمیت وافادیت سامنے آتی گئی اور دنیا کے ملکوں وزارت صحت نے لوگوں کو ماں کا ہی دودھ استعمال کرنے کی صلاح دی تو مغرب کو انسانی دودھ کا مرکز قائم کرنے کا خیال آیا، اور اس

طرح ملک بینک وجود میں آنے شروع ہو گئے۔

دنیا کا پہلا دودھ بینک:

اب ایک رائے تو یہ ہے کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد ہی داس طرح کے بینک قائم ہو چکے تھے، جب کہ بعض حضرات کا دعوی ہے کہ بیسویں صدی کی ستر کی دہائی میں اس کا آغاز ہوا ہے، لیکن پہلا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ مصر کی وزارت صحت نے ۱۹۶۳ء میں ہی دودھ بینک قائم کرنے کی فکر پیش کی تھی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مغربی ممالک میں اس سے چند سال قبل یہ بینک قائم ہو چکے تھے (البنوک الطبیہ، ص: ۳۲۴)۔

ہندوستان کی صورتحال:

ہندوستان کا پہلا دودھ بینک ۱۹۸۹ء میں لوک مانیہ تلک میونسپل جنرل ہاسپیٹل ممبئی میں قائم ہوا، اس کے بعد تقریباً دو درجن سے زائد ملک بینک قائم کیے جا چکے ہیں، جن میں زیادہ تر مہاراشٹر اور گجرات میں واقع ہیں۔

دودھ بینک کے نقصانات:

سائنسی نقطہ نظر سے اگر چہ اس طرح کے مراکز کے قیام کو درست ٹھہرایا جاتا ہوتا ہم اس کے نقصانات اور صحت اور معاشرے پر مرتب ہونے والے اس کے منفی اثرات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، ذیل میں مختلف جہتوں سے ان مضرتوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی جارہی ہے:

۱۔ شرعی نقطہ نظر:

شرعی نقطہ نظر سے ملک بینک کی بڑی خامی یہ ہے کہ اس سے رضاعت مجہول رہتی

ہے، اس کی تعیین ناممکن ہے کہ کس نے کس کا دودھ پیا ہے تا کہ اسی سے حرمت رضاعت کو ثابت کیا جائے، اس لئے اس کا بڑا خطرہ موجود ہے کہ اس بینک کے دودھ سے پرورش پانے والے بچہ کا نکاح آئندہ رضاعت کے اعتبار سے کسی محرم سے ہوجائے اور اسے اس کا علم بھی نہ ہو۔

۲۔صحت کے نقطہ نظر سے:

صحت کے نقطہ نظر سے ایسے دودھ میں کئی طرح کے نقصانات ہیں:

الف: جمع شدہ یہ انسانی دودھ بہت سی مرتبہ آلودگی اور خطرناک قسم کے وائرس سے بھی متاثر ہوتا ہے چونکہ یہ دودھ کئی مراحل سے گزر کر بوتلوں اور ڈبوں میں پیک کیا جاتا ہے، تو ہوسکتا ہے کہ کسی مرحلے پر ہلکی سی چوک ہوگئی ہو اور اس کا پتہ بھی نہ چلا ہو۔

ب: دودھ میں موجود بعض دواؤں کی تحلیل کی وجہ سے اس جمع شدہ دودھ کی وہ خصوصیات اور امتیازات باقی نہیں رہتے جو خالصتاً ماں کی صورت میں باقی رہتے۔

ج: بینکوں کے اس دودھ سے رضاعت کی صورت میں ماں کی چھاتی سے فطری رضاعت کی خصوصیات باقی نہیں رہ پاتی ہیں۔

۳۔معاشرتی نقطہ نظر:

ڈبوں اور بوتلوں کے ذریعہ رضاعت، اگرچہ بچے کو غذائی اعتبار سے شکم سیر کر دیتی ہے، لیکن اس کے ذریعہ اس کو جذباتی اور نفسیاتی سیرابی نہیں مل پاتی ہے، بلکہ کبھی یہی چیز ماؤں اور ان کے بچوں کے درمیان تعلقات کی کمزوری یا رشتوں کے ختم ہونے کا سبب بن جاتی ہے، ایک عرب عالم نے معاشرتی نقصان کا اس طرح تجزیہ کیا ہے :

"والمرأة تتمثل فی هذه الحال بالبقرة الحلوب أو الجاموس أو النعاج،

يجمع لبنها ويعامل بوسائل الحفظ المختلفة'' (البنوک الطبیہ، ص:۳۲۹)۔

(اس صورت میں عورت دودھاری گائے یا بھینس یا بکری کا کردار ادا کرتی ہے، اس کے دودھ کو جمع کر کے اس کے ساتھ حفاظت کے مختلف ذرائع سے معاملہ کیا جاتا ہے)۔

اردو میں طنز و مزاح کے امام مشہور اصلاحی شاعر اکبر الہ آبادی نے اس المیے کا اس طرح رونا رویا ہے:

طفل میں خو آئے کیسے ماں باپ کے اطوار کی — دودھ تو ہے ڈبے کا اور تعلیم ہے سرکار کی

۴۔معاشی نقطہ نظر سے:

ملک بینک کے منصوبے کو روبہ عمل لانے میں کئی طرح کی پریشانیاں اور ڈھیر سارے اخراجات ہیں، کیوں کہ دودھ اکٹھا کرنے کا جو نظام اور سسٹم ہے اس میں پیسہ بھی بہت لگتا ہے اور وقت بھی، اس طرح اس کو محفوظ رکھنے کا عمل بھی پریشان کن اور خرچیلا ہوتا ہے۔

۵۔اخلاقی نقطہ نظر سے:

دودھ کا بچے کے اخلاق پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، جب کہ ملک بینک میں سارا دودھ ملا دیا جاتا ہے اور کوئی تمیز نہیں رہ جاتی، جس سے بچے کے اخلاق پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۶۔انسانیت کے نقطہ نظر سے:

اس طرح کے بینکوں کا قیام ماؤں کو اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے بجائے انہیں بیچ کر پیسہ کمانے پر آمادہ کرتا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ خون کی تجارت کی طرح آئندہ ماؤں کے دودھ کی تجارت کی گرم بازاری بھی دیکھنے کو ملے۔

دودھ بینک کا حکم:

جمہور علماء اور فقہاء اس طرح کے بینک کے قیام کو ناجائز مانتے ہیں، انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی اپنے دوسرے سمینار میں عدم جواز کی تجویز منظور کر رکھی ہے۔

تجویز کے الفاظ یہ ہیں:

"أولاً :أن بنوک الحلیب تجربة قامت بها الأمم الغربیة، ثم ظهرت مع التجربة بعض السلبیات الفنیة والعملیة فیها فانکمشت وقل الاهتمام بها۔

ثانیا :أن الإسلام یعتبر الرضاع لحمة کلحمة النسب، یحرم به ما یحرم من النسب بإجماع المسلمین، ومن مقاصد الشریعة الکلیة المحافظة علی النسب، وبنوک الحلیب مؤدیة إلی الاختلاط أو الریبة۔

ثالثاً:أن العلاقات الاجتماعیة فی العالم الإسلامی توفر للمولود الخداج أو ناقص الوزن أو المحتاج إلی اللبن البشری فی الحالات الخاصة ما یحتاج إلیه من الاسترضاع الطبیعی، الأمر الذی یغنی عن بنوک الحلیب۔

وبناء علی ذلک قرر:

أولاً :منع إنشاء بنوک حلیب الأمهات فی العالم الإسلامی۔

ثانیاً :حرمةالرضاع منها، واللہ أعلم (قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی ص۱۶:۔۱۷)۔

(اول: دودھ بینک کا تجربہ مغربی اقوام نے کیا، لیکن فنی اور سائنسی اعتبار سے اس کے بعض منفی نتائج سامنے آنے کے بعد اس تجربہ سے گریز کا راستہ اختیار کیا گیا اور اس سے دلچسپی کم ہوگئی۔

دوم: اسلام میں رضاعت کا رشتہ نسب کے رشتہ کی مانند ہے، اور مسلمانوں کا اتفاق

ہے کہ رضاعت سے بھی وہ سارے رشتے حرام ہوجاتے ہیں جونسب سے حرام ہوتے ہیں، اور نسب کی حفاظت، شریعت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، دودھ بینک سے نسب میں اختلاط وشبہ پیدا ہوسکتا ہے۔

سوم: عالم اسلام میں ایسے سماجی تعلقات ہیں جو ناقص الخلقت، کم وزن والے یا مخصوص حالات میں انسانی دودھ کے ضرورت مند بچوں کے لئے دودھ پینے کا فطری انتظام فراہم کرتے ہیں، اس لئے دودھ بینک کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

چنانچہ اکیڈمی طے کرتی ہے کہ:

اول: عالم اسلام میں ماؤں کے دودھ بینک قائم کرنا ممنوع ہے۔

دوم: دودھ بینک کے دودھ سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی، واللہ اعلم)

(انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۸۵، ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

عدم جواز کے دلائل:

دودھ بینک کے قیام کے عدم جواز پر متعدد دلائل دیئے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ دودھ بینک سے حرمت عام ہوجاتی ہے، جس سے نسب میں اختلاط اور شبہ پیدا ہوسکتا ہے جس سے محذور شری لازم آئے گا، اور اس کا سبب بینک کا قیام ہے لہذا بینک کے قیام کو روکنا ضروری ہے۔

۲۔ قاعدہ ہے: "الضرر لا یزال بالضرر" (ضرر کو ضرر سے نہیں زائل کیا جاتا ہے)۔

یعنی اس فطری دودھ کے محتاج بچوں کو جو ضرر ہو رہا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے اس دوسرے ضرر کا سہارا نہیں لیا جاسکتا ہے جو اس دودھ میں متوقع خطرات کی شکل میں

موجود ہے۔

۳۔قاعدہ ہے :"درء المفاسد مقدم علی جلب المنافع" (مفاسد کو دفع کرنا منافع کے حصول پر مقدم ہے)۔

یعنی ان بنکوں کے قیام سے جو مفاسد اور خطرات جنم لیں گے ان سے حفاظت کا اہتمام زیادہ ضروری ہے، بہ نسبت اس کے کہ ان بنکوں کو قائم کر کے ان کے فوائد کو حاصل کیا جائے ،لہذا ان بینکوں کو قائم نہ کرنا مقدم ہے قائم کرنے پر۔

۴۔ احتیاط کا بھی تقاضا یہی ہے کہ دودھ بینک کو قائم نہ کیا جائے اور خصوصاً ایسی صورت میں کہ عالم اسلام میں اس کا عموم بلوی بھی نہیں ہے۔

۵۔دودھ بینک کے منفی پہلو اور مضرات اس کے مثبت پہلو اور فوائد سے بڑھ کر ہیں، اور اس کی ضرورت شدیدہ بھی نہیں ہے۔

دودھ بینک سے حرمت رضاعت کا ثبوت:

ہم دودھ بینک کے قیام کے عدم جواز کو ہی راجح قرار دے چکے ہیں اور اس سلسلہ میں جدہ فقہ اکیڈمی کی تجویز بھی نقل کی جا چکی ہے، تاہم جواز کے قائلین کے نقطہ نظر سے خصوصیت کے ساتھ حرمت کا مسئلہ بھی وضاحت طلب ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ رضاعت سے وہی حرمت ثابت ہوجاتی ہے جو نسبی رشتے کی وجہ سے ہوتی ہے کیوں کہ حدیث پاک اس سلسلہ میں انتہائی واضح ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :"یحرم من الرضاع مایحرم من النسب" (صحیح البخاری مع فتح الباری ۵/۳۰۰ کتاب الشہادات)۔

البتہ اہل ظاہر نے رضاعت کے مفہوم میں تخصیص کردی ہے، یعنی اگر بچہ مدت رضاعت میں کسی عورت کی چھاتی سے منہ لگا کر دودھ پیے تو ہی وہ رضاعت ہے اور اس سے

حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، جبکہ احناف سمیت جمہور علماء اور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے بھی اگر بچے کے منہ میں مدت رضاعت کے دوران دودھ پہنچا دیا جائے تو حرمت ثابت ہوجائے گی، مثلاً وجور (بچے کے حق میں دودھ ڈال دینا) اور سعوط (بچے کے ناک میں دودھ ڈالنا) سے بھی رضاعت کے احکام جاری ہوجائیں گے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں :

"والسعوط والوجور يثبت الحرمة لأنه مما يتغذى به الصبى، فإن السعوط يصل إلى الدماغ فيتقوى به، والوجور يصل إلى الجوف فيحصل به إنبات اللحم وإنشاز العظم" (المبسوط ۵/ ۱۳۴۔۱۳۵)۔

(سعوط اور وجور سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، اس لئے کہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن سے بچے کو غذا ملتی ہے، کیوں کہ سعوط دماغ تک پہنچ کر اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے، اور وجور جوف تک پہنچتا ہے جس سے گوشت بنتا اور ہڈی ابھرتی ہے)۔

ملک العلماء علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"ويستوى فى تحريم الرضاع الارتضاع من الثدى والإسعاط والإيجار، لأن المؤثر فى التحريم هو حصول الغذاء باللبن" (بدائع الصنائع ۴/ ۹)۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ ثبوت حرمت کے لئے چھاتی سے ہی پلانا ضروری نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہی جمہور کا قول ہے اور احادیث وآثار سے مؤید ہے، اس لئے ہمیں دودھ بینک کے مسئلے پر اسی قول کی روشنی میں غور کرنا چاہئے۔

بینک سے جو دودھ حاصل کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ بچے کی نشوونما اسی سے ہوتی ہے، انبات لحم اور انشاز عظم بھی اسی سے ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ دودھ ڈبے

یا بوتل کے ذریعہ بچے کے حلق تک پہنچایا جاتا ہے، لیکن اس سے ثبوت حرمت میں کوئی خلل نہیں آتا، لہذا بینک کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہوجائے گی، اس لئے بینک والے کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہر عورت کے دودھ کی تفصیل رکھے، اور خواہش مند کو دودھ دیتے وقت اس کی وضاحت کردے، اور اگر وہ اس طرح نہیں کرسکتا ہے تو بینک ہی قائم نہ کرے تا کہ لوگ نئے نئے مسائل کے شکار نہ ہوں۔ انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی ثبوت حرمت کی تجویز منظور کررکھی ہے، جیسا کہ اس کے الفاظ گزر چکے۔

فصل ثالث:

مادہ منویہ کے بینک (Sperm Bank)

تعریف:

منی بینک کی متعدد تعریفات کی گئی ہیں جن میں چند یہ ہیں:

"مختبر ذو خصائص فيزيائية وكيميائية مناسبة تحفظ فيه الحيوانات المنوية لفترة مناسبة حسب الطلب" (اطفال الأنابیب بین العلم والشریعۃ لزیاد أحمد سلامۃ، ص: ۱۱۵)۔

مناسب کیمیاوی خصوصیات کی حامل ایک ایسی لیبارٹری ہے جہاں حسب طلب حیات بخش منی کو مناسب مدت تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۲۔ **"بنوک المنی هی : مخازن لحفظ وتخزين الحيوانات المنوية البشرية بواسطة تبريدها وتجميدها فی مادة النيتر وحين السائل وحفظها بحمدة لأزمان طويلة"** (الانساب والاولاد لعبد الحمید طہماز، ص: ۷۳)۔

(منی بینک ایسے ڈپو ہیں جہاں انسانوں کے قابل تولید منی کو سیال نیٹروجن مادہ میں ٹھنڈا کرنے اور جمانے کے بعد جمع کر دیا جاتا ہے اور مدت دراز تک غیر مائع حالت میں اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے)۔

۳۔ **"بنوک المنی هی :أماكن خاصة يتم فيها حفظ الحيوانات المنوية الخاصة بالرحل، ثم اللجوء للبنک عند الحاجة للحصول على الحيوانات المنوية لاستخدامها فی التلقيح الصناعی"** (البنوک الطبیہ، ص: ۳۶۴)۔

(منی بینک وہ مخصوص مقامات ہیں جہاں مرد کے حیات بخش منی کو محفوظ رکھا جاتا

ہے، پھر بہ وقت ضرورت اس کے حصول کے لئے بینک کی طرح رجوع کیا جاتا ہے تا کہ اسے مصنوعی بارآوری کے استعمال کیا جاسکے)۔

منی بینک کے قیام کا پس منظر:

منی کو محفوظ رکھنے کا تصور ۱۹۵۰ء میں سامنے آیا جب سائنسدانوں نے جانداروں کے منی کو جمع کر کے بہ وقت ضرورت مصنوعی حمل کاری میں اس کے استعمال کی بابت غور وخوض شروع کیا، دراصل پیداواری صلاحیت کی کمی (Infertility) اور بانجھ پن (Sterility) دو ایسی طبی پریشانیاں ہیں جن کا دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے ۱۰ سے ۱۵ فیصد افراد کو سامنا ہے، بلکہ اس تعداد میں روز بہ روز خطرناک حد تک بعض ملکوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے،'' چنانچہ ۱۹۸۵ء کے اعداد وشمار کے مطابق تنہا امریکہ میں تقریباً ایسے دس ملین مرد تھے جو ایسے حیات بخش منی پر قادر نہیں تھے جس میں پیداوار کی صلاحیت ہو'' (عملیۃ انتاج أطفال الأنابیب،ص:۶۸)۔

بانجھ پن کے اسباب:

پیداواری صلاحیت کے فقدان یا بانجھ پن کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔جنسی آوارگی اور آزاد خیالی کی وجہ سے جنم لینے والی جنسی بیماریوں کا عام ہونا، حالاں کہ یہی جنسی امراض مرد وزن میں پیداواری صلاحیت کے فقدان کا اہم سبب ہیں۔

۲۔ چوں کہ دنیا کے اکثر خطوں میں زنا کی وبا عام ہوچکی ہے جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں اسقاط حمل کے واقعات بھی پیش آتے ہیں حالاں کہ اسقاط حمل عورت کے عضو تناسل میں سوزش پیدا کر دیتا ہے بسا اوقات اس کے اثر سے عورت کی صلاحیت تولید ہی ختم ہوجاتی ہے۔

۳۔سل (پھیپھڑے کی بیماری) ترقی پذیر ممالک میں اس کو بھی بانجھ پن کا ایک اہم سبب خیال کیا جاتا ہے۔

۴۔ایام حیض میں بیوی سے ہم بستری سے بھی آہستہ آہستہ اس کی پیداواری صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔

۵۔عورتوں کی ملازمت، اس کی وجہ سے ماہواری کا صحیح نظام عورتیں قائم نہیں رکھ پاتی ہیں۔

۶۔سخت قسم کی ورزشیں، مثلاً دوڑ کا مسابقہ وغیرہ اس کی وجہ سے عورت کا کم ہوتا ہے اس کے بعد نسوانیت کے ہارمونس (Estrogen) کم ہوتے ہوتے اس کی صلاحیت تولید ہی ختم ہوجاتی ہے۔

۷۔پچیس سال کی عمر کے بعد تک شادی کو موخر کردینا، حالاں کہ پیداواری صلاحیت کے لئے سب سے بہتر یہی عمر ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں جو بانجھ پن میں اہم رول ادا کرتے ہیں، دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے ہر شخص کی فطرت میں اولاد کی محبت ودیعت کر رکھی ہے، ارشاد ہے: ''زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین'' (آل عمران: ۱۴)۔

اس لئے بانجھ پن کے علاج کا جو بھی طریقہ سامنے آتا ہے، شوہر اور طبی اداروں کی طرف سے اس کا پرجوش استقبال ہوتا ہے، اسی کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ مغرب کے مفکرین نے جانوروں کے منی کے تصور کو ترقی دیتے ہوئے اس کو انسانوں کے منی تک پہنچایا، اور بہت سے اولاد اور اولاد کے خواہش مندوں کی آرزؤں کی تکمیل کے لئے اس تکنیک سے فائدہ اٹھایا۔

دنیا کا پہلا منی بینک:

دنیا کا پہلا منی بینک کب شروع ہوا؟ اس میں دو آراء ہیں:

۱۔ان بینکوں کا پھیلاؤ ستر کی دہائی میں ہوا۔

۲۔۱۹۸۰ء میں پہلا منی بینک قائم کیا گیا۔

منی بینک کے نقصانات:

بینک میں جمع شدہ منی کے استعمال سے کئی طرح کے خطرات کا اندیشہ رہتا ہے، اور طبی ومعاشرتی اعتبار سے اس کے کئی نقصانات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ بینکوں میں منی کو محفوظ کرنے کے عمل کے دوران اس کی ۳۰۔۵۰ فیصد تک فعالیت اور کارکردگی ختم ہوجاتی ہے (الانساب والاولاد، ص: ۷۳)۔

۲۔اس کی وجہ سے بن باپ کے بچوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، چنانچہ تقریباً تین لاکھ بچے ایسے ہیں جن کے باپ کا کوئی پتہ نہیں ہے (طفل الانبوب والتلقیح الصناعی، ص:۱۰۶)۔

۳۔ان بینکوں کی وجہ سے جنسی امراض میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

۴۔نسب میں اختلاط اور اشتباہ بڑھتا جارہا ہے۔

۵۔ان بینکوں میں مشہور شخصیات، ایوارڈ یافتگان یا حسن وطاقت میں معروف افراد کے منی کو جمع کرنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، اور لوگوں کو اس طرح کے منی خریدنے میں خاصی دلچسپی ہوتی ہے تاکہ اس سے جنم لینے والی اولاد بھی ذہانت اور دوسری صفات میں ان شخصیات کی طرح ہوں، ظاہر ہے کہ یہ بہت حد تک جاہلیت میں رائج نکاح استبضاع کے مشابہ ہے (التلقیح الصناعی واطفال الانابیب، ص: ۲۷۰)۔

ان بینکوں کی وجہ سے خاندانی نظام کا ڈھانچہ بری طرح متاثر ہورہا ہے، اور لاکھوں کی تعداد میں ایسے بچے جنم لے رہے ہیں جن کے باپ کا کوئی اتا پتہ نہیں ہے۔

۸۔جن عورتوں کے لئے جن کے شوہروں کا انتقال ہوچکا، اس کی راہ سے زنا کاری بہت آسان ہوگئی ہے، کیوں کہ حرام کاری کے نتیجہ میں جب ان کو حمل ٹھہرتا ہے تو وہ بڑی آسانی

سے یہ دعوی کر بیٹھتی ہیں کہ یہ میرے شوہر کے اسی منی سے ہے جو بینک میں محفوظ ہے۔

۹۔اس کی وجہ سے میاں بیوی کے آپسی تعلقات میں حد درجہ کمزوری آجاتی ہے اور اس کی جگہ آوارگی اور بدچلنی عام ہورہی ہے۔

منی بینک کا حکم:

جمہور معاصرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس طرح کے بنکوں کا قیام حرام اور ممنوع شرعی کا ارتکاب ہے، اور اس پر واضح دلائل شرعیہ موجود ہیں، چنانچہ جامع ازہر کی فتوی کمیٹی کا فیصلے اس کی حرمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"إن وجود مثل هذه البنوک سيؤدی إلى إشاعة الفواحش والمنكرات"

(الاستنساح والانجاب، ص: ۳۰۵، البنوک الطبیہ، ص: ۳۸۴)۔

(اس طرح کے بنکوں کے قیام سے فحاشی اور بے حیائی پھیلے گی)۔

مصنوعی بارآوری:

نطفوں کی بنک سے جڑا ہوا ایک مسئلہ مصنوعی بارآوری کا بھی ہے، اس موضوع پر کئی اکیڈمیوں نے بحث وتمحیص کے بعد تجاویز منظور کررکھی ہیں، ہم ذیل میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام مکہ مکرمہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے درج کررہے ہیں:

۱۔شادی شدہ عورت جو حاملہ نہ ہوسکتی ہو اس کے لئے اور اس کے شوہر کے لئے بچہ کی ضرورت ایک جائز مقصد ہے، جس کے لئے مصنوعی بارآوری کا جائز طریقہ اپنا کر علاج کرانا درست ہے۔

۲۔پہلا طریقہ (جس میں شادی شدہ مرد کا نطفہ اسی مرد کی بیوی کے رحم میں انجکٹ کرکے داخلی بارآوری کی جاتی ہے) اوپر مذکورہ شرائط کی رعایت کے ساتھ اور اس تحقیق کے

بعد جائز ہے کہ حمل کے لئے عورت اس طریقہ کی محتاج ہے۔

۳۔ تیسرا طریقہ (جس میں شوہر اور بیوی کے نطفہ اور انڈے کو لے کر ایک ٹسٹ ٹیوب میں خارجی بارآوری کی جاتی ہے، پھر اسے اسی انڈے والی بیوی کے رحم میں داخل کردیا جاتا ہے) شرعی نقطہ نظر سے اپنی ذات میں اصولاً درست ہے لیکن اس سے وابستہ دیگر امور اور شک کے اسباب سے پوری طرح محفوظ نہیں ہے، لہذا اس طریقہ کو انتہائی ضرورت کے حالات میں ہی اور مذکورہ شرائط کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔

۴۔ مذکورہ دونوں جائز طریقوں میں اکیڈمی طے کرتی ہے کہ نومولود کا نسب نطفہ اور انڈا دینے والے زوجین سے ثابت ہوگا، میراث اور دیگر حقوق ثبوت نسب کے تابع ہوتے ہیں، لہذا وراثت اور دیگر احکام بھی بچہ اور ان کے درمیان جاری ہوں گے جن کے ساتھ بچہ کا نسب ثابت ہوا ہے۔

۵۔ اوپر مذکورہ خارجی اور داخلی بارآوری کے طریقوں میں سے بقیہ طریقے شرعاً حرام ہیں، ان میں سے کسی کے بھی جواز کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ ان میں یا تو نطفہ اور انڈا زوجین کے نہیں ہیں یا رضا کارانہ حاملہ عورت نطفہ اور انڈا دینے والے زوجین کے لئے اجنبی ہے۔

مصنوعی بارآوری میں عام طور پر حتی کہ اس کی جائز شکلوں میں بھی دوسرے امور وابستہ ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بارآور شدہ حصوں کے ٹسٹ ٹیوب میں اختلاط کے امکانات ہوتے ہیں، بالخصوص جبکہ یہ کام کثرت سے اور عام ہوجائے، اس لئے اکیڈمی دین کا جذبہ رکھنے والوں کو نصیحت کرتی ہے کہ وہ اس طریقہ کو اختیار نہ کریں، الا یہ کہ انتہائی سخت ضرورت ہو، اور انتہائی احتیاط کے ساتھ اور نطفوں یا بارآور شدہ حصوں کے اختلاط سے مکمل تحفظ کے ساتھ کیا جائے'' (المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، سمینار نمبر: ۸، تجویز: ۲، ص: ۲۰۹۔۲۱۰)۔

انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی اس سلسلہ میں قرارداد منظور کررکھی ہے، جس کا متن

حسب ذیل ہے:

''اکیڈمی کے تیسرے اجلاس منعقدہ عمان (اردن) مورخہ ۸۔ ۱۳ رصفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۱۔۱۶ راکتوبر ۱۹۸۶ء میں اس موضوع پر پیش کردہ مقالات کے جائزہ اور ماہرین واطباء کی تحقیقات سننے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آج کل مصنوعی بارآوری کے سات طریقے رائج ہیں، چنانچہ اکیڈمی نے طے کیا کہ:

۱۔درج ذیل پانچ طریقے شرعاً حرام اور قطعاً ممنوع ہیں یا تو اس لئے کہ فی نفسہ وہ غلط ہیں، یا اس لئے کہ ان کی وجہ سے نسب میں اختلاط، نسل کا ضیاع اور ان کے علاوہ دوسری شرعی ممنوعات کا ارتکاب ہوتا ہے:

اول: شوہر کے نطفہ اور دوسری عورت جو اس کی بیوی نہیں ہے، کے انڈے کو بارآور کیا جائے اور پھر اسے شوہر کی بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے۔

دوم: شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے نطفہ اور بیوی کے انڈے کو بارآوری کے بعد بیوی کے رحم میں داخل کر دیا جائے۔

سوم: شوہر و بیوی کے نطفہ اور انڈے کو بیرون میں بارآور کیا جائے اور کسی تیسری اجنبی عورت کے رحم میں داخل کر دیا جائے جو رضا کارانہ حمل کے لئے تیار ہو۔

چہارم: کسی اجنبی شخص کے نطفہ اور اجنبی عورت کے انڈے کو بارآور کر کے بیوی کے رحم میں ڈالا جائے۔

پنجم: شوہر و بیوی کے نطفہ و انڈے کو بیرون میں بارآور کرنے کے بعد (اسی مرد کی) دوسری بیوی کے رحم میں داخل کر دیا جائے۔

۲۔ چھٹا اور ساتواں طریقہ تمام ضروری احتیاط کو بروئے کار لاتے ہوئے ضرورت کے وقت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، یہ دونوں درج ذیل ہیں:

ششم: شوہر کے نطفہ اور اس کی بیوی کے انڈے کو حاصل کر کے بیرونی طور پر بارآور کیا جائے پھر اسی بیوی کے رحم میں داخل کر دیا جائے۔

ہفتم: شوہر کے نطفہ کو لے کر بیوی ہی کی اندام نہانی یا رحم میں مناسب جگہ پر اندرونی بارآوری کے لئے رکھ دیا جائے، واللہ اعلم (انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۰۲۔۱۰۳، ایفا پبلیکیشنز)۔

فصل رابع:

آنکھ بینک(Eye Bank)

تعریف:

آنکھ بینک(Eye Bank) کی دوتعریفات ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ **''وكالة لا تستهدف الربح، يتم بواسطتها توزيع العيون التى تؤخذ من أشخاص بعد موتهم مباشرة''** (الموسوعة العربية العالمية ۵/۱۷۵)۔

(ایسی ایجنسی ہے جس کا مقصد نفع کمانا نہیں ہوتا، اس کے ذریعے ان آنکھوں کی تقسیم عمل میں آتی ہے جولوگوں سے ان کے مرنے کے فوراً لے لی جاتی ہیں)۔

۲۔ **''عبارة عن معمل يتم حفظ العيون المستأصلة فيه بطرق عديدة، لتكون تحت الطب''** (امراض العیون،ص:۲۰)۔

(ایک ایسا کارخانہ ہے جہاں متعدد طریقوں سے ضائع شدہ آنکھوں کی حفاظت کی جاتی ہے تا کہ انہیں طلب کیا جاسکے)۔

واضح ہو کہ آئی بینک میں صرف قرنیہ (Cornea)اور صلبہ (Sclera) یعنی مضبوط سفید حصے کومحفوظ کیا جاتا ہے، اس لئے کہ آنکھوں کی پیوندکاری میں صرف یہی حصہ کارآمد ہوتا ہے اس لئے اس کوکبھی قرنیہ بینک کا بھی نام دے دیا جاتا ہے۔

پہلا آئی بینک اور ہندوستان کی صورت حال:

دنیا کا سب سے پہلا آنکھ بینک ۱۹۴۴ء میں امریکہ میں قائم ہوا، اس کے بعد مختلف

ممالک اور شہروں میں یہ بینک قائم کئے جانے لگے، ہندوستان میں بھی یہ بینک بڑی تعداد میں موجود ہیں ویب سائٹ پر فراہم کئے گئے اعداد وشمار کے مطابق ۸۰ سے زائد آئی بینک ہمارے ملک میں کام کررہے ہیں، جن میں سب سے زیادہ یعنی تقریباً ۲۵ بینک مہاراشٹر میں ہیں۔

آنکھ بینک کے نقصانات:

آئی بینک کا منفی پہلو یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر اس کے ذریعہ بھی انسانی اعضاء کی تجارت کا شرمناک عمل فروغ پارہا ہے، اور صحت کے نقطہ نظر سے بھی اس کے مضر اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بسااوقات جس کی آنکھ دوسرے کو لگائی جارہی ہے وہ ایڈز یا دوسرے خطرناک وائرس سے متاثر ہوتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرا شخص بھی اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس قرنیہ متاثر شخص کی آنکھ میں لگا کر اس کی پیوندکاری کی جاتی ہے کبھی اس کا جسم بالکل اس کو قبول نہیں کرتا، اور کبھی آنکھوں کی الرجی بڑھ جاتی ہے اور دیکھنے ج میں تغیر آجاتا ہے، کبھی پیوندکاری کے اس عمل کے دوران آنکھ آلودہ ہوجاتی ہے، اور کبھی ورم اور سوجن کی بھی شکایت ہوجاتی ہے۔

آنکھ بینک کا حکم:

یہ مسئلہ کافی عرصے سے علماء کے درمیان زیر بحث ہے، چنانچہ بعض اس بینک کے قیام کے جواز کے قائل ہیں، اور بعض عدم جواز کے، دراصل اس کا مدار اعضاء انسانی کے نقل کے جواز یا عدم جواز پر ہے، چنانچہ جو حضرات اجزاء انسانی کے عطیہ اور نقل کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کی اجازت دیتے ہیں اور اکثر حضرات جو عدم جواز کے قائل ہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

فصل خامس:

کھال بینک (Skin Bank)

تعریف:

کھالوں کے بینک (Skin Bank) کی تعریفات اس طرح کی گئی ہے:

۱۔ "**هی بنوک لحفظ الجلد لحین الحاجة إلی استعمالها، کما هو معروف فی بنوک الدم و بنوک العظام و غیرها، والقصد منها تخزین هذه المواد حتی تکون جاهزة حین الحاجة إلیها**" (بنوک الجلد والبشریۃ للدکتور محمد شوقی کمال، ص: ۸۳)۔

یہ ایسے بینک ہیں جہاں بہ وقت ضرورت استعمال کے لئے کھالیں محفوظ کی جاتی ہیں جیسا کہ خون اور ہڈی وغیرہ کے بینکوں میں ہوتا ہے، اور اس کا مقصد ان مواد کو اسٹاک کر کے رکھنا ہے تا کہ ضرورت کے وقت یہ تیار شدہ دستیاب ہوسکیں۔

۲۔ "**هی أماکن حفظ الجلد ومشتقاته لحین الحاجة إلیها**" (المصدر السابق ص: ۹۳)۔

یہ کھال اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کو محفوظ رکھنے کی جگہیں ہیں تا کہ بہ وقت ضرورت کام آسکیں۔

قیام کا پس منظر اور پہلا بینک:

میڈیکل بالخصوص جراحت اور کھال کی پیوند کاری کے شعبہ میں غیر معمولی اور زبردست ترقی کے نتیجے میں اس طرح کے بینک وجود میں آئے، اور غالباً دنیا میں اس نوعیت کا پہلا بینک

بوسٹن (امریکہ) کے ایک ہسپتال شیریزس برنس (Shriners Burns Hospital) کے زیر اہتمام قائم ہوا، یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے (البنوک الطبیہ، ص: ۵۶۸)۔

ہندوستان میں بھی ممبئی، کولکاتہ اور پونے جیسے بعض بڑے شہروں میں یہ بینک قائم ہیں۔

کھال بینک کے نقصانات:

اس طرح کے بینکوں سے استفادہ کے نتیجے میں ماہرین درج ذیل عیوب اور مضرات کے خدشات ظاہر کرتے ہیں:

۱۔ جس مردے سے کھال لی جاتی ہے اس پر ایسی علامت رہ جاتی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی کھال لی گئی ہے۔

۲۔ کھال کی راہ سے کبھی طرح کی متعدی مہلک امراض کے منتقل ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

۳۔ تازہ کھال، بینک میں جمع شدہ کھال کے مقابلے میں زیادہ کارآمد ہوتی ہے۔

۴۔ کھال کا عطیہ دینے والا مسلسل بیماریوں اور رنگت میں تبدیلی اور بسا اوقات موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

۵۔ جب سے اس چلن ہوا ہے ایسے گروپ سرگرم ہو گئے ہیں جو بہت معمولی رقم دے کر غریبوں اور تنگدستوں کے جسم سے کھال کاٹ لیتے ہیں اور پھر غیر معمولی رقم لے کر اس کی کالا بازاری کرتے ہیں (حوالہ بالا، ص: ۵۷۴، ۵۷۶)۔

اسکین بینک کا حکم:

بعض اہل علم مثلاً ڈکتور عبد السلام السکری وغیرہ اس طرح کے بینکوں کے عدم جواز

کے قائل ہیں، جب کہ بعض معاصر اہل علم اس کی چند شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔

چنانچہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں کویت میں ''رؤية إسلامية لبعض المشاكل الصحية'' کے عنوان سے منعقد کانفرنس میں جواز اور شراط جواز کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

''يجوز إنشاء بنک لحفظ الجلد الآدمي، مع مراعاة ما يلي:

أ :أن يكون البنک بيد الدولة أو هيئة مؤتمنة تحت إشراف الدولة۔

ب:أن يكون الاختزان للجلود الآدمية على قدر الحاجة الواقعية والمتوقعة۔

ج:أن تحترم قطع الجلد التي يستغنى عنها، فتدفن ولا تلقى مع الفضلات'' (ثبت ندوة رؤية إسلامية لبعض المشاكل الصحية، ص:۱۰۴۸، البنوک الطبیہ، ص:۵۷۶)۔

(انسانی کھال کو محفوظ رکھنے کے لئے بینک قائم کرنا جائز ہے، درج ذیل شرائط کے ساتھ:

الف: وہ بینک حکومت یا حکومت کی زیر نگرانی کسی قابل اعتماد بورڈ کے ہاتھوں میں ہو۔

ب: واقعی اور متوقع ضرورت کے بقدر ہی انسانی کھالوں کا ادخار کیا جائے۔

ج: کھال کے وہ ٹکڑے جن کی ضرورت نہ رہ جائے، انہیں بھی احترام کے ساتھ دفن کر دیا جائے اور فضلات کے ساتھ نہ پھینکا جائے)۔

مزید شرائط جواز:

اس موضوع پر ریسرچ اور تحقیق کرنے والے بعض حضرات نے درج ذیل مزید شرائط کا اضافہ کیا ہے:

۱۔ ان بینکوں کے قیام سے انسان کی سلامتی اور اس کی خلقی حالت متاثر نہ ہوتی ہو۔

۲۔ عطیہ کے وقت شرافت انسانی کا خیال رکھا جائے، لہذا کسی انسان کو اس کی منشا

کے خلاف پر مجبور نہ کیا جائے۔

۳۔ان بینکوں کا اسٹاک بڑھانے کے لئے کسی زندہ یا جنین کی زندگی پر اس طرح تعدی نہ کی جائے کہ اس کی ضرورت کی کھال کو ہی لے لیا جائے۔

۵۔غیر اخلاقی اور غیر شرعی مقاصد کے حصول کے لئے چمڑے کی سرجری نہ کرائی جائے، مثلاً مجرم کی شناخت چھپانے کے لئے، وغیرہ (الضوابط الشرعیۃ، ص:۱۵۰-۱۵۱، البنوک الطبیہ، ص:۵۷۷)۔

جواز کے دلائل:

قائلین جواز نے متعدد دلائل پیش کئے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں ایک بھی اپنے مدعی پر واضح نہیں ہے۔

دلیل نمبرا: رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قربانی کے جانور کے گوشت کے ادخار کی اجازت مرحمت فرمائی تھی (دیکھئے صحیح البخاری ۱۰/۲۶ مع الفتح، کتاب الأضاحی، مسلم ۳/۵۶۳ کتاب الاضاحی)۔

تو رسول اللہ ﷺ نے حاجت کی وجہ سے گوشت کے ادخار کی اجازت دی تھی اور یہ حاجت انسانی کھالوں میں بھی متحقق ہے لہذا اس کی بھی گنجائش ہوگی۔

رد: یہ قیاس غلط اور مع الفارق ہے بہ چند وجوہ:

الف: گوشت کا کھانا فی نفسہ حلال ہے، آپ نے ایک عارض کی وجہ سے منع فرمایا تھا، لیکن جب عارض ختم تو نہی مجاور بھی ختم ہوگئی، جبکہ انسانی کھال کا اکل تو کیا عام استعمال بھی ممنوع ہے۔

ب: اجزاء انسانی کو مذبوح اور ماکول اللحم جانور پر قیاس کرنا ہے۔

ج: ادخار کی ممانعت معلول بہ علت تھی جیسا کہ حدیث عائشہؓ میں مصرح ہے، "قال النبی ﷺ: **إنما نهيتكم من أجل الدافة التی دفت، فكلوا وادخروا، وتصدقوا**" (اخرجہ البخاری فی صحیحہ ۱۰/۲۶ مع الفتح)۔

اس لئے ادخار والی روایت کو اسی خاص پس منظر میں دیکھنا چاہئے، اور اگر عموم پر ہی رکھنا ہے تو حدیث میں ادخار کے ساتھ اکل کا بھی امر ہے، تو کیا جلد انسانی کے اکل کا بھی جواز ثابت ہوجائے گا؟

دلیل نمبر ۲: حاجت اس قسم کے بنکوں کے قیام کی داعی ہے اور حاجت کو ضرورت کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے، لہذا ضرورت ثابت ہوگئی (الضوابط الشرعیۃ، ص: ۱۴۷، للدکتور البنبہان)۔

رد: فقہاء نے ضرورت وحاجت کی تعریف کرکے جو درجات متعین کئے ہیں اس کے اعتبار سے یہاں ضرورت وحاجت کا درجہ متحقق نہیں ہوتا، بلکہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق اضطرار کی حالت میں جسم انسانی کی قطع وبرید جائز نہیں ہے، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"مضطر لم یجد میتة و خاف الهلاک فقال له رجل :اقطع یدی و کلها أو قال :اقطع منی قطعة فکلها لا یسعه أن یفعل ذلک و لا یصح أمره به کما لا یسع للمضطر أن یقطع قطعة من لحم نفسه فیأکل" (خانیہ ۳/۴۱۰ علی ہامش الہندیہ ۲/۳۶۶)۔

(یعنی مضطر کو موت کا خطرہ یقینی ہوجائے اور مضطر کے پاس حرام وممنوع اشیاء میں سے کوئی نہ ہو، شراب، خون، خنزیر کا گوشت، ایک شخص بہ طور ایثار وانسانی ہمدردی مضطر سے کہتا ہے کہ میرا ایک ہاتھ یا کوئی عضو کاٹ کر کھالو تو مضطر کے لئے اس کی اجازت نہیں اور غیر مضطر کا ایثار اور قطع ید کا حکم اور اجازت بھی صحیح نہیں)۔

یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ اضطرار کی حالت میں انسان کے جسم اور اعضاء کی قطع وبرید جائز نہیں ہے خواہ اس نے اجازت ہی کیوں نہ دے دی ہو، انسانی ہمدردی کی بنا پر بہ طور عطیہ کیوں نہ دیا ہو اس لئے کہ انسانی اعضاء غیر مملوک میں قابل عطیہ وقابل انتفاع نہیں ہیں۔

دلیل نمبر ۳: خون کے بینک کا قیام جائز ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے انسانی

کھال کے بینک بھی جائز ہوں گے (بنوک الجلو دللد کتور النشیمی، ص: ۳۲۱)۔

رد: قیاس متفق علیہ پر کیا جاتا ہے، مختلف فیہ پر نہیں، اور ہم سابق میں ذکر کر چکے ہیں کہ بہت سے اہل علم کو بلڈ بینک کے جواز سے اتفاق نہیں ہے پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا دونوں میں درجات کے اعتبار سے یکسانیت ہے؟

دلیل نمبر ۴: اس طرح کے بینک کا قیام امر مباح کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہے، اور وسائل عام طور سے مقاصد کا درجہ رکھتے ہیں (بنوک الجلو دللد کتور الشریف، ص: ۲۱۴)۔

رد: اس وسیلے اور ذریعے کا بھی تو مباح ہونا ضروری ہے، اگر وہ وسیلہ ہی مباح نہ ہوتو مقاصد کے درجے میں ہوجانے سے تو جواز ثابت نہیں ہوجائے گا؟

دلیل نمبر ۵: ایسی کوئی دلیل نہیں جو بینک کے قیام سے مانع ہو (الضوابط الشرعیہ، ص: ۱۴۷)۔

رد: آئندہ عدم جواز کی ایک دلیل نہیں بلکہ کئی دلائل ہم ذکر کر رہے ہیں۔

عدم جواز کے دلائل:

۱۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: **"فبعث الله غراباً يبحث في الأرض ليريه كيف يواري سوءة أخيه قال ياويلتى أعجزت أن أكون مثل هذا الغراب فأواري سوءة أخي فأصبح من النادمين"** (المائدہ: ۳۱) (پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کو کھودتا تھا تا کہ وہ اسکو تعلیم کردے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپا دے، کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی کیا گزار کہ اس کوّے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا)۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **"ثم أماته فأقبره"** (عبس: ۲۱) (پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا)۔

۳۔رسول اکرم ﷺ نے ابوطالب کی نعش کے بارے میں حضرت علیؓ کو امر فرمایا تھا: "**اذهب فوار أباك**" (أخرجہ ابوداؤد والنسائی) (جا کر اپنے والد کو مٹی میں چھپادو)۔

آیات واحادیث سے واضح ہے کہ مردوں کو اس طرح علاحدہ شدہ اجزاء انسانی کو دفن کرنا واجب ہے، اور ظاہر ہے کہ ان طبی بنکوں میں اجزاءِ انسانی کو محفوظ رکھنے میں اس امر کی صریح مخالفت ہے۔

۴۔ارشاد باری ہے: "**و لا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**" (البقرہ: ۱۹۵) (اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو)۔

اعضاء یا کھالوں کا اس لئے عطیہ دینا کہ انہیں طبی بنکوں میں رکھ دیا جائے، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا ذریعہ ہلاکت ہے، لہذا یہ حرام قرار پائے گا۔

۵۔ "**نهى النبي ﷺ عن المثلة**" (سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، صحیح مسلم ۱۳۵۷/۳)۔

انسانی اعضاء کو جائے دفن کے علاوہ کسی اور جگہ رکھنا بھی مثلہ ہی ہے، لہذا اس طرح کے بنکوں میں رکھنا بھی منہی عنہ ہوگا (نقل وزراعۃ الأعضاء الآدمیۃ للسکری، ص: ۱۵۶، ۲۱۷، ۲۲۶)۔

۶۔ کوئی بھی انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، اسے اپنے جسم پر اختیار صرف اس قدر ہے کہ وہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، لہذا کوئی شخص اپنے جسم یا جسم کا کوئی عضو بینک میں رکھنے کی وصیت نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ ایسی چیز کی وصیت ہے جس کا وہ مالک ہی نہیں ہے۔

۷۔اس طرح کے طبی بنکوں کے قیام کے جواز کے فتوی سے زبردست بگاڑ لازم آئے گا اور اعضاء انسانی کی اہانت اور تجارت کا سلسلہ شروع ہوجائے گا (المصدر السابق ص: ۱۵۶، البنوک الطبیہ: ۵۸۲)۔

انسانی کھالوں اور چمڑوں کے بنک سے متعلق دو اور اہم مسائل ہیں جن پر غور وخوض

ضروری ہے، ایک یہ کہ کھال کی پیوندکاری کے ذریعہ علاج درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ کھال کو زیب وزینت یا کسی اور مقصد سے دوسری کھال سے بدلوانا جائز ہے یا نہیں؟ پہلے کو ہم ''اعضاء کی پیوندکاری'' اور دوسرے کو ''پلاسٹک سرجری'' کے عنوان سے ذکر کریں گے۔

اعضاء کی پیوندکاری:

اعضاء کی پیوندکاری کے جواز یا عدم جواز پر کافی تحقیقات سامنے آچکی ہیں، ہم ان تفصیلات سے قطع نظر صرف بعض اکیڈمیوں کے فیصلے نقل کردیتے ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں ۲۸ ربیع الثانی بروز سنیچر تا ۷ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ بروز پیر، مطابق ۱۹۔۲۸ جنوری ۱۹۸۵ء منعقد ہونے والے اسلامی فقہ اکیڈمی کے آٹھویں اجلاس میں اس موضوع پر غور کیا گیا کہ کیا ایک انسان کے کسی عضو کی پیوندکاری دوسرے کسی ضرورت مند انسان کے اندر اس غرض سے کی جاسکتی ہے کہ وہ پیوند کیا گیا عضو اس ضرورت مند شخص کے کسی ناکارہ عضو کا بدل بن سکے، جدید طب نے اس تک رسائی حاصل کی ہے اور جدید وسائل کے ذریعے اس میدان میں اہم کارنامے انجام دیئے ہیں، اکیڈمی کی طرف سے اس موضوع پر بحث امریکہ میں قائم رابطہ عالم اسلامی کے دفتر کی درخواست پر کی گئی۔

اس موضوع پر شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن البسام کی تحقیقی تحریر اکیڈمی کے سامنے آئی، جس میں انہوں نے اعضاء کی منتقلی اور پیوندکاری کے موضوع پر معاصر فقہاء کے اختلافات اور ہر فریق کے دلائل نقل کئے ہیں۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث ومناقشہ کے بعد اجلاس کا خیال ہے کہ قائلین جواز کی استدلالات ہی راجح ہیں، اس لئے اجلاس درج ذیل فیصلے کرتا ہے:

اول: کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے دوسرے انسان کے جسم میں لگادینا جو اپنی زندگی بچانے کے لئے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں سے کسی عمل کو

بحال کرنے کے لئے اس کا ضرورت مند ہوا ایک جائز عمل ہے، جو عضو دینے والے کے حوالے سے انسانی کرامت کے منافی نہیں ہے، دوسری طرف یہ عضو لینے والے کے حق میں ایک نیک تعاون اور بڑی مصلحت پر مبنی خدمت ہے جو ایک جائز اور قابل تعریف عمل ہے، بشرطیکہ درج ذیل شرائط موجود ہوں:

۱۔عضو کے لینے سے اس شخص کی طبعی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچے جو اسے دے رہا ہے، کیوں کہ شریعت کا اصول ہے کہ کسی نقصان کے ازالہ کے لئے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارہ نہیں کیا جائے گا، نیز اس لئے بھی کہ ایسی صورت میں عضو کی پیش کش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف ہوگی جو شرعاً ناجائز ہے۔

۲۔عضو دینے کا عمل عضو دینے والے کی طرف سے رضا کارانہ اور بغیر کسی دباؤ کے ہو۔

۳۔ضرورت مند مریض کے علاج کے لئے عضو کی پیوند کاری ہی طبی نقطہ نظر سے تنہا ممکن ذریعہ رہ گیا ہو۔

۴۔عضو لینے اور عضو لگانے کے عمل کی کامیابی غالباً یا عادۃً یقینی ہو (المجمع الفقہی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ص: ۱۹۹۔۲۰۰، ط: ایفا پبلیکیشنز)۔

''کسی انسان کے جسم کا عضو اسی انسان کے جسم میں دوسری جگہ لگانا اس اطمینان کے بعد جائز ہوگا کہ پیوند کاری سے متوقع فائدہ اس پر مرتب ہونے والے نقصان سے زائد ہو، نیز اس کا مقصد کسی مفقود عضو کو وجود میں لانا، یا اس کی شکل کو بحال کرنا یا اس کے مقصود وظیفہ کو بحال کرنا یا کسی عیب کی اصلاح یا کسی ایسی بدصورتی کا ازالہ ہو جو اس شخص کے لئے نفسیاتی یا جسمانی اذیت کا سبب بنتی ہو'' (انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی کے شرعی فیصلے، ص: ۱۲۸، ایفا پبلیکیشنز)۔

پلاسٹک سرجری:

پلاسٹک سرجری کی حقیقت:

لفظ پلاسٹک سرجری سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید اس سے مراد اصلی یعنی کیمیاوی پلاسٹک ہے، اس سرجری میں پلاسٹک سے بنی کسی چیز کا استعمال ہوتا ہے، جب کہ اس لفظ کا ماخذ ایک یونانی لفظ (Plostiko) ہے، جس کے معنی اصلاح ومرمت کے ہوتے ہیں، اور سرجری اس طریقہ علاج کو کہتے ہیں جس میں معالج اپنے ہاتھوں اور اوزار کی مدد سے علاج کرتا ہے (اردو انسائیکلو پیڈیا زیر ادارت فضل الرحمن ۲/ ۴۲۲)۔ لہذا پلاسٹک سرجری کا مطلب ہے وہ سرجری جو جسم کے ضائع، مجروح، ناقص یا بدنما اور بدشکل حصول کی اصلاح کے لئے کی جاتی ہے، وہ جسمانی نقص خواہ پیدائشی ہو یا کسی حادثہ کا نتیجہ، پلاسٹک سرجری کا دائرہ کار انسان کا سارا جسم ہے، اس طرح کہ کسی بھی عضو کے بیرونی نقص یا عیب کی اصلاح میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے، یہ سرجری بھی زمانہ قدیم سے موجود ہے، حتی کہ فراعنہ مصر کے زمانے سے ہی اس کا ثبوت ملتا ہے، عربوں میں بھی کسی نہ کسی شکل میں اس کا وجود رہا ہے، لیکن دوسرے علوم وفنون ہی کی طرح باقاعدہ ایک فن اور مستقل علم کی حیثیت سے یہ ہنر پہلی جنگ عظیم کی شروعات سے سامنے آیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسنے اپنی ایک الگ پہچان بنالی۔ پلاسٹک سرجری میں انسانی جسم کے ایک حصہ سے چمڑا یا گوشت حاصل کرکے اسی کو جسم کے دوسرے حصہ میں لگادیا جاتا ہے کیونکہ انسانی جسم خود اپنے حصہ کو نسبتاً زیادہ آسانی سے قبول کرتا ہے۔

پلاسٹک سرجری کے متعلق ایفا کی دفعات کی تشریح:

ایفا یعنی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے اٹھارہویں سمینار منعقدہ مدورائی تاملناڈو (۲ تا ۴/ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸/فروری تا ۲/مارچ ۲۰۰۹ء) کے لئے جن

عنوانات کا انتخاب کیا تھا، ان میں ایک پلاسٹک سرجری بھی تھا۔ اس موضوع پر آٹھ نکات پر مشتمل سوال نامہ جاری کیا گیا اور تقریباً ستر (۷۰) اہل علم نے ان کے جوابات لکھے۔ ان میں بعض نکات پر مقالہ نگاروں کے درمیان اختلاف رائے بھی تھا، لیکن طویل باہمی تبادلہ خیال کے بعد اتفاق رائے پیدا ہو گیا، اور اکیڈمی نے پانچ دفعات پر مشتمل متفقہ فیصلہ شائع کیا۔

ہم آئندہ صفحات میں اکیڈمی کے فیصلے پر روشنی ڈالیں گے، فیصلے کو متن کے حوض میں ذکر کیا جائے گا پھر تشریح کا عنوان لگا کر اس کے تحت قرآن وحدیث اور کتب فقہ وفتاوی کے حوالے سے وضاحت کی جائے گی۔

۱۔ جسمانی عیب دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہے اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے اولی ایسی صورت ہے جو معروف ومعتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہو جائے۔

تشریح: بسا اوقات انسان میں پیدائشی طور پر کوئی ایسا عیب پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی بدہیئتی نمایاں ہوتی ہے، اور وہ عیب عام قانون فطرت کے خلاف ہوتا ہے، مثلاً ہونٹ یا تالو کٹا ہوا ہو، ہاتھ یا پیر میں زائد انگلی ہو، منہ میں زائد دانت ہو، یا کوئی دانت زیادہ لمبا ہو ظاہر ہے کہ ان عیوب کے ساتھ دوسروں کا سامنا کرنے سے انسان کو روحانی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ناسمجھوں اور بے عقلوں کے استہزاء کا نشانہ بننا پڑتا ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ میں اس طرح کے عیوب دور کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور یہ اس تغییر خلق اللہ میں داخل نہیں ہے، جس کی ممانعت قرآن مجید میں ہے، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فإن الظاهر أن المراد بتغيير خلق الله أن ما خلق الله سبحانه وتعالى حيواناً

على صورته المعتادة لايغير فيه، لا أن ما خلق على خلاف العادة مثلاً كالتحية للنساء أو العضو الزائد فليس تغييره تغيير الخلق لله" (بذل المجہود ۵/ ۷۲۔ ۷۳)۔

(بہ ظاہر جانور کی تخلیق میں تغیر سے مراد یہ ہے کہ اس کی معتاد صورت میں تبدیلی نہ کی جائے، اگر کوئی خلاف عادت صورت پر پیدا ہوا ہو، جیسے عورت کو داڑھی نکل آئی ہو یا کوئی زائد عضو نکل آیا تو اس میں تبدیلی اللہ کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہے)۔

عرفجہ بن اسعدؓ ایک صحابی ہیں وہ اپنا واقعہ ذکر کرتے ہیں:

"أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت أنفاً من ورق فأنتن علي، فأمرني رسول الله ﷺ أن أتخذ أنفاً من ذهب" (سنن ابی داؤد، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی ربط الأسنان بالذہب، ۴۲۳۲، مزید ملاحظہ کیجئے، ترمذی: ۱۷۷۰، نسائی: ۵۱۶۱۔ ۵۱۶۲)۔

(جاہلی دور میں جنگ کلاب میں میری ناک ضائع ہوگئی، چنانچہ میں نے چاندی کی لگائی اس سے بدبو پیدا ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے مجھے سونے کی ناک لگانے کا حکم دیا)۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی اور امام ترمذی محمد بن عیسی بن سورہ نے بالترتیب "ربط الأنساب بالذهب" اور "شد الأنسان بالذهب" (دانتوں کو سونے سے باندھنے کا باب) کا عنوان قائم کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ حکم ناک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اسی مقصد کے تحت کہیں اور بھی اس طرح کی سرجری کی جاسکتی ہے اسی لئے صاحب بذل المجہود نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"وكذا حكم الإنسان فإنه يثبت لهذا الحكم فيها بالمقاسية، سواء ربطها بخيط الذهب أو صبغها بالذهب" (بذل المجہود ۱۲/ ۲۶۰، حدیث: ۴۲۳۲)۔

(ایسے ہی دانتوں کا حکم ہے، چنانچہ قیاس کے ذریعہ جواز کا یہ حکم دانتوں میں بھی ثابت ہوگا، خواہ وہ ان کو سونے کے تار سے باندھے یا ان کو سونے سے ڈھال لے)۔

بلکہ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی عیب کو دور کرنے کے لئے اگر کوئی حلال شئی کافی نہ ہو تو حرام چیز کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لئے سونے کو حرام قرار دیا ہے اور سوائے انگوٹھی کے ان کے لئے چاندی بھی حلال نہیں، لیکن ناک کو درست کرنے کے لئے آپ نے چاندی اور سونے کی مصنوعی ناک کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فتاوی ہندیہ میں بھی صراحت ہے کہ پیدائشی عیب کی اصلاح کی جاسکتی ہے جبکہ اس کی وجہ سے جان کا خطرہ نہ ہو۔

"إذا أراد الرجل أن يقطع إصبعاً زائداً أو شيئاً آخر، قال نصير رحمه الله تعالى :إن كان الغائب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لايفعل، وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك" (الفتاوی الہندیہ ۵/۳۶۰)۔

(اگر کوئی شخص اپنی زائد انگلی یا کوئی دوسری چیز کٹوانا چاہے تو نصیرؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو نہ کرے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس سے ہلاک نہیں ہوگا تو اسے اس کی گنجائش ہے)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پیدائشی طور پر کوئی عیب نہیں تھا، لیکن بعد میں کسی حادثہ کے سبب کوئی عیب پیدا ہوگیا، مثلاً کسی ایکسیڈینٹ میں آدمی کی ناک ٹوٹ گئی، یا کان کٹ گیا یا گھر میں آگ لگ گئی جس سے اس کی جلد جھلس گئی، یا ڈاکوؤں نے پستول سے گولی ماری جس سے بدن کے کسی حصے کا گوشت اڑ گیا، یا اس طرح کی کوئی دوسری صورت ہو، اس میں آدمی کے بدن میں عیب پہلے نہیں ہوتا، بلکہ حادثاتی طور پر بعد میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کو بھی آپریشن وغیرہ کے ذریعہ دور کرنا جائز ہوگا۔

حضرت عرفجہؓ کی حدیث گزر چکی ہے، جو خصوصیت کے ساتھ بعد کے حادثے کی

وجہ سے پیدا ہونے والے عیب کے ازالہ سے متعلق ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر دشمنوں کی جانب سے حضرت سعد بن معاذؓ کو ایک تیر آ کر لگا، جس سے ان کے بازو کی ایک رگ زخمی ہوگئی، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لئے مسجد نبوی میں خیمہ لگوایا، اور ان کے علاج معالجہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی (صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۴۱۲۲)۔

غزوہ بدر میں حضرت رافع بن مالک کو ایک تیر آ کر لگا، جس سے ان کی آنکھ زخمی ہوگئی، وہ بیان کرتے ہیں : ''رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور میرے لئے دعا کی، اس کی برکت سے مجھے اس آنکھ میں ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی (السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۲/۴۴۷)۔

حضرت قتادہؓ کا واقعہ گزر چکا ہے، ان کی آنکھ بھی غزوہ احد میں حادثاتی طور پر ہی ضائع ہوئی تھی، اور رسول اللہ ﷺ نے معجزانہ طور پر اسے درست فرما دیا تھا۔

نیز ضرورت وحاجت وغیرہ کا تعلق پیدائشی عیوب سے بھی ہے اور حادثاتی عیوب سے بھی، اس لئے شاید یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اگر پیدائشی عیوب کا ازالہ جائز ہے تو بعد میں پیدا ہونے والے عیوب کا ازالہ بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

۲۔ جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لئے اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو پلاسٹک سرجری جائز ہے۔

تشریح: پلاسٹک سرجری عصر حاضر کا ایک جدید طریقہ علاج ہے اور علاج کی ترغیب کے سلسلہ میں احادیث نقل کی جا چکی ہے، اس لئے اگر ڈاکٹر کسی خاص بیماری کے علاج کے لئے پلاسٹک سرجری کا مشورہ دیتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے (اوپر گزر چکا ہے کہ ایسے جسمانی عیب کا ازالہ جس سے انسان کو جسمانی یا روحانی اذیت ہوتی ہو حاجت کے تحت آتا ہے اور

حاجت ضرورت کے مرتبہ میں ہوتی ہے، اور ضرورت کے پیش نظر بہت سی ایسی چیزیں بھی جائز قرار دی جاتی ہیں جو عام حالات میں ممنوع تھیں، لہذا جن عیوب کا ازالہ حاجت کی تعریف پر پورا اترتا ہو ان کے لئے پلاسٹک سرجری کی اجازت ہوگی۔

جسمانی اذیت کا مطلب یہ ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہو یا اعضاء کے فطری عمل میں اس سے کسی طرح کی رکاوٹ پیدا ہوتی ہو، مثلاً کان اس طرح چپکا ہوا ہے کہ سننے میں دشواری ہو رہی ہے یا ناک اس طرح دبی ہوئی ہے کہ سانس لینے میں دقت ہے، اور اس کا ازالہ صرف سرجری سے ہوسکتا ہے تو اس کی گنجائش ہوگی)۔

پلاسٹک سرجری کا عمل دو باتوں کو شامل ہے، ایک آپریشن، دوسرے جسم کے ایک حصہ کا دوسرے حصہ کے لئے استعمال۔

جہاں تک آپریشن کی بات ہے تو اگر اس سے جان جانے یا فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے جائز و درست ہونے پر فقہاء متفق ہیں، اسی طرح اپنے جسم کے ایک حصے کا اگر دوسرے حصے کے لئے استعمال کیا جائے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے، جیسا کہ شرعی اصول و احکام کے ذیل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، پلاسٹک سرجری اپنی اصل کے اعتبار سے ایک جائز عمل ہے، لہذا اگر کوئی شخص ایسی جسمانی تکلیف میں مبتلا ہے جس کو آپریشن سے ٹھیک کیا جاسکتا ہے تو اگر آپریشن کی کامیابی کا غالب گمان ہے، تو زیادہ تر آپریشن کامیاب رہے ہوں تو اس کی گنجائش ہوگی۔

فیصلہ کے شق نمبر ا کی تشریح میں جو دلائل ذکر کئے گئے ہیں وہ اس دوسری شق کو بھی ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں، اس لئے کہ بیشتر صورتوں میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ صرف جسمانی عیب یا خلقی بدہیئتی کو دور کرنا ہی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ جسمانی تکلیف کا ازالہ بھی مقصود ہے، ہندیہ میں ہے:

”جراح اشترى جارية رتقاء فله شق الرتق وإن ألمت كذا فى القنية، ولا بأس بشق المثانة إذا كانت فيها حصاة، وفى الكيسانيات فى الجراحات المخونة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة فى المثانة ونحوها، إن قيل قد ينجو وقد يموت، أو ينجو ولا يموت، يعالج، وإن قيل :لا ينجو أصلاً لا يداوى، بل يترک كذا فى الظهيرية“ (ہندیہ ۵/ ۳۶۰، کتاب الکراہیہ)۔

(جراح نے ایسی باندی خریدی جس کی شرمگاہ ملی ہوئی تھی (یعنی اس سے مباشرت نہیں کی جاسکتی تھی) تو اسے رتق یعنی اس کیفیت کو ختم کرنے کے لئے آپریشن کرنے کا اختیار ہے، اگرچہ اس کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو، ”قنیہ“ میں ایسا ہی لکھا ہے، نیز مثانہ میں پتھری ہو تو اس کا آپریشن کرنے میں مضائقہ نہیں اور ”کیسانیات“ میں ہے کہ بڑے اور تشویشناک زخم اور مثانہ میں پیدا ہونے والی کنکری میں یہ حکم ہے کہ اگر اندازہ ہو کر مرض سے نجات مل سکتی ہے، اور موت بھی واقع ہوسکتی ہے، یا نجات مل سکتی ہے اور اس سے موت کا اندیشہ نہیں، تب تو علاج کیا جائے گا بلکہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا)، (بعض صورتیں ایسی ہیں، جو جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لئے بھی کی جاتی ہیں اور تحسین وتزئین کے طور پر بھی، جیسے پیٹ اور کولہے سے چربی کی نہیں آپریشن کے ذریعہ نکالنا، اس سے انسان خوبصورت بھی نظر آتا ہے اور بعض دفعہ علاج کے طور پر بھی ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے، کیونکہ حد اعتدال سے زیادہ موٹاپا بھی انسان کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے، اس لئے ان صورتوں کا حکم آپریشن کرانے والوں کی نیت کے اعتبار سے ہوگا، اگر اس نے علاج کی نیت سے کیا ہے تو یہ جائز ہوگا، اور اگر اس کے پیچھے جذبہ حسن نمائی کارفرما ہو تو جائز نہیں ہوگا، انما الأعمال بالنیات)۔

۳۔ درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حقیقت میں جو تغیر آتا ہے جیسے جھریوں کا پیدا ہوجانا وغیرہ ان کو ختم کرنے

کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

تشریح: انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے وہ ایک مختصر اور نحیف جسم لے کر پیدا ہوتا ہے، پرورش و پرداخت کے نتیجے میں اس کے اعضاء کا حجم بڑھتا ہے، ان میں طاقت اور چستی پیدا ہوتی ہے، یہاں تک کہ جوانی میں وہ ہر پہلو سے مکمل ہوجاتے ہیں، پھر ان کا انحطاط شروع ہوتا ہے، آہستہ آہستہ ان کی طاقت کم ہوتی جاتی ہے، اور چستی کی جگہ ڈھیلا پن پڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ بڑھاپے میں وہ کمزوری اور بے بسی کی اس حالت کو پہنچ جاتا ہے، جس سے اپنے بچپن میں دوچار تھا، یہ قانون فطرت ہے جس سے ہر انسان کا سابقہ پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں ان مراحل حیات کا تذکرہ آیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

"هو الذی خلقکم من تراب ثمن من نطفة ثم من علقة ثم یخرجکم طفلاً ثم لتبلغوا أشدکم ثم لتکونوا شیوخاً ومنکم من یتوفی من قبل ولتبلغوا أجلاً مسمی ولعلکم تعقلون" (المؤمن:٦٧)۔

(وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر تمہیں بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی پوری طاقت کو پہنچ جاؤ، اور اس لئے کہ تم حقیقت کو سمجھو)۔

عمر بڑھنے کے ساتھ انسانی اعضاء کی ہیئتوں میں ہونے والی تبدیلیاں فطری ہیں، ان تبدیلیوں کو روکنے یا ان اعضاء کی ہیئتوں کو من چاہی ہیئتوں میں بدلوانے کی کوشش کرنا فطرت سے بغاوت کے مترادف ہے، یہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی ہے، جسے شیطانی تحریک کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، اس بنا پر بڑھاپے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ڈھیلے پن یا ہاتھوں اور چہرہ پر ظاہر ہونے والی جھریوں کو دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کروانا اسلامی شریعت کی رو سے جائز نہ ہوگا۔

واشمات پر لعنت والی حدیث ضرورت تشریح کے ساتھ گذر چکی ہے، جس سے صاف واضح ہے کہ جھریوں وغیرہ کا دور کرنا زیبائش وآرائش کے لیے دائمی تغیرات "فلیغیر ن خلق اللہ" کے تحت آتے ہیں۔

"**عن جابر قال :أتی بابی قحافة یوم فتح مکة ورأسه ولحیته کالثغامة بیاضاً، فقال النبی ﷺ :غیروا هذا بشئی واجتنبوا السواد**" (نسائی: باب النہی عن الخضاب بالسواد، حدیث:۵۰۷۹)۔

(حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابوقحافہ کو لایا گیا اور ان کے سر اور داڑھی کے بال بالکل ثغامہ کے پھول کی طرح سفید تھے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس میں کسی چیز سے تبدیلی کردو اور کالے رنگ سے بچو)۔

"**عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال :یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحة الجنة**" (ابوداؤد، باب ماجاء فی خضاب السواد حدیث: ۴۲۱۲)۔

(حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم آئے گی جو کبوتر کے سینے کی طرح سیاہ خضاب لگائے گی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گی)۔

سیاہ خضاب سے ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے قاضی عیاض شرح مسلم میں عبد الوہاب کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"**یکره السواد لأن فیه تدلیساً علی النساء**" (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض ۶/ ۶۲۴)

(سیاہ خضاب اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں عورتوں (کو دکھانے) کے لئے تدلیس اور حقیقت کو چھپانا ہے)۔

ظاہر ہے کہ عمر ڈھلنے کے سبب فطری طور پر پیدا ہوجانے والی جھریوں وغیرہ کو دور کرنے میں بھی محض تدلیس اور دھوکہ دہی ہے، اور اس تبدیلی اور تغیر سے کوئی معتد بہ نفع متعلق نہیں، اس لئے کئی وجوہ سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ اس طرح کے آپریشن کا شمار ممنوعہ تغیرات میں ہوگا، جس میں تغییر خلق اللہ کے ساتھ تزویر وتدلیس بھی ہے، امام نوویؒ شرح مسلم میں ''المتفلجات للحسن'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وتفعل ذلک العجوز ومن قاربتها فی السن إظهاراً للصغر وحسن الأسنان، لأن هذه الفرجة اللطيفة بين الأسنان تكون للبنات الصغار'' (شرح نووی صحیح مسلم ۱۰۶/۱۴)۔

(یہ کام، بوڑھی اور بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے والی عورتیں دانتوں کی خوبصورتی اور کم عمر نظر آنے کے لئے کرتی ہیں، اس لئے کہ یہ باریک خلا چھوٹی بچیوں کے دانتوں میں ہوتا ہے جب عورت بوڑھی ہوجاتی ہے اور اس کا دانت بڑا اور بے ڈھب ہوجاتا ہے تو اسے ریتی سے رگڑ دیتی ہے تاکہ وہ خوبصورت ہوجائے اور اپنے کو کم عمر ظاہر کرے)۔

اسی طرح اگر چہرے پر پیدائشی طور پر کوئی ایسا عیب ہے مثلاً ناک بہت کھڑی نہیں ہے، جسے عرف میں نقص نہیں تصور نہیں کیا جاتا تو اس کا آپریشن کروانا درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے اس میں نہ جسمانی اذیت ہے اور نہ نفسیاتی بلکہ حسن وجمال کی محض ایک مذموم کوشش ہے۔

۴۔ ناک اور دوسرے اعضاء خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر متناسب ہوں مگر انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو محض زینت اور محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

تشریح: انسان کا جسم اس کے پاس اللہ تعالی کی امانت ہے، اللہ پاک نے اعضاء

انسانی سے مختلف منفعتیں وابستہ کر رکھی ہیں اور انہیں مخصوص کاموں میں لگا دیا ہے، قرآن کریم میں مختلف اعضاء مثلاً آنکھ، کان، زبان، ہونٹ، ہاتھ، پیر، دل، دماغ وغیرہ کا تذکرہ اللہ تعالی کی نعمتوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے (ملاحظہ کیجئے آیات: الانعام: ۴۶، الاعراف: ۱۷۹، ۱۹۵، النور: ۲۴، الحج: ۴۶، تین: ۳۵، ۳۶، ق: ۳۷، البلد: ۸۔۹ وغیرہ) اور انسان کو تلقین کی گئی ہے کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالی کا شکر ادا کریں، اور صرف اسی کی عبادت کریں، جس نے انہیں ان بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے، اگر وہ اس کی ناشکری کریں گے اور شرک میں مبتلا ہوں گے تو روز قیامت ان سے باز پرس کی جائے گی، "**إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسؤولاً**" (بنی اسرائیل: ۳۶) (یقینا آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی)۔

اس سے صاف واضح ہے کہ انسان اپنے اعضاء جسم کا مالک نہیں ہے کہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے، بلکہ اسے صرف انہیں ان کے مفوضہ کاموں میں استعمال کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اس کے برخلاف جو لوگ اپنے اعضاء جسم کی ہیئتوں میں من چاہی تبدیلیاں لانے کے لئے پلاسٹک سرجری کراتے یا کرانا چاہتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو اپنے جسم و جان کا مالک ومختار سمجھتے ہیں، وہ اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنی من پسندیدہ ہیئتوں میں ڈھالنا چاہیں ڈھال لیں، یہ تصور اسلامی تصور کے مغایر ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ اس کو جائز نہیں قرار دیتی ہے۔

انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ خوبصورت دکھائی دے، اور اس کا ظاہر دوسروں انسانوں کی نگاہ میں بھلا معلوم ہو، اس لئے وہ مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے، شریعت نے نہ صرف اس کا اعتبار کیا ہے، بلکہ اس کو پسندیدہ قرار دیا ہے، لیکن خوبصورتی اختیار کرنے کی تدابیر کو شریعت نے حدود کا پابند بنا دیا ہے، اس کے نزدیک حسن وجمال میں اضافہ کے لئے خارجی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں، لیکن جسم کے اعضاء یا ان کی ہیئتوں میں کوئی تبدیلی کروانا

جائز نہیں ہے، لہذا ناک اور دوسرے اعضاء یا ان کی ہیئتوں میں کوئی تبدیلی کروانا جائز نہیں ہے، لہذا ناک اور دوسرے اعضاء انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں، یعنی عام طور سے جیسے انسانوں کے اعضاء انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں، یعنی عام طور سے جیسے انسانوں کے اعضاء ہوتے ہیں ویسے ہی ہوں، البتہ کسی قدر کم خوبصورت ہوں تو محض زینت اور خوبصورتی اختیار کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہے، احادیث میں ایسی کئی چیزوں سے صراحت کے ساتھ روکا گیا ہے جو صدر اسلام میں عربوں کے درمیان حسن وجمال میں اضافے کے لئے رائج اور معروف تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"لعن رسول اللہ ﷺ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات" (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس)۔

(رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے ان عورتوں پر (جسموں پر) گودتی ہیں اور اگر گودواتی ہیں اور بھوؤں کے بال اکھڑتی ہیں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرتی ہیں، یہ عورتیں اللہ تعالی کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والی ہیں۔

محدثین نے صراحت کی ہے کہ یہ کام عرب میں عورتیں حسن میں اضافہ کرنے کے لئے انجام دیتی ہیں، ایسا کر کے بڑی عمر کی عورتیں جوان عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتی تھیں، اس سلسلہ میں امام نووی کی تصریح گزر چکی ہے، بغویؒ کی تصریح ملاحظہ ہوں:

محی السنۃ بغویؒ (م:۵۱۶ھ) فرماتے ہیں: "**المتفلجات**" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بڑی عمر کی ہونے کے بعد اپنے دانتوں کو رگڑ کر دھاردار پتلا کرتی تھیں تا کہ نوجوان عورتوں کے مشابہ ہوجائیں (شرح السنہ حسین بن مسعود بغوی، تحقیق: شعیب الارناؤط، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۹۸۳ء)۔

کم عمر اور خوبصورت نظر آنے کے لئے کرائی جانے والی پلاسٹک سرجری اس لئے

بھی جائز نہیں ہے کہ اس میں تدلیس وتزویر اور سراسر دھوکہ ہے جو کہ شرعاً حرام ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''من غشنا فلیس منا'' (صحیح مسلم ۱/۵۷) (جس نے ہم کو دھوکہ دیا وہ ہم سے نہیں ہے)۔

مولانا تقی عثمانی کالے خضاب کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں:

''والثانی :أن یفعله الرجل للغش والخداع ولیری نفسه شاباً ولیس بشاب فهذا ممنوع بالاتفاق العلماء علی تحریم الغش والخداع'' (تکملۃ فتح الملہم ۴/۱۴۹)۔

(دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص فریب اور دھوکہ دہی کے مقصد سے ایسا کرے اور اس لئے تا کہ وہ جوان نظر آئے حالانکہ وہ جواں نہیں ہے تو یہ بالاتفاق ممنوع ہے، کیونکہ فریب اور دھوکہ دہی کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ محض خوبصورت نظر آنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہے اس میں شرعاً کئی قباحتیں ہیں۔

۵۔ اپنی شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں، سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے۔

تشریح: اگر کوئی مجرم اپنی شناخت چھپانے کے لئے سرجری کر رہا ہے تو اس میں بلا کسی جائز وجہ کے تغییر خلق اللہ، تدلیس، تزویر جیسی اس عمل کی ممانعت کی تمام علتیں پائی جا رہی ہیں، ساتھ ہی ممانعت کی ایک مزید علت یعنی قانونی تقاضوں کے پورا کرنے سے فرار بھی پایا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ اس کے اس عمل کا مقصد اور نیت یہی ہے کہ وہ اس طرح حکام کی نگاہوں کے سامنے رہ کر بھی ان سے چھپا رہے، ظاہر ہے کہ یہ تدلیس اور دھوکہ دہی ہے، پھر اپنے کو

دوسری شکل میں دوسرے فرد کی طرح پیش کر رہا ہے، یہ تزویر اور جعلسازی ہے۔

اسلامی شریعت کی مجموعی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جھوٹ، مکروفریب اور دھوکہ دہی کو ناپسندیدہ کاموں میں شمار کیا گیا ہے اور ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام کا عمومی مزاج یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی بھی فرد اسی طرح دکھائی دے جس طرح وہ حقیقت میں ہے، بہروپیا بننا اور سوانگ بھرنا اس کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے کیا میرے اوپر گناہ ہوگا اگر میں اس کے سامنے یہ اظہار کروں کہ میرے شوہر نے مجھے فلاں فلاں چیزیں دی ہیں حالانکہ حقیقت میں اس نے وہ چیزیں نہ دی ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور**" (صحیح البخاری، کتاب النکاح، حدیث: ۵۲۱۹، صحیح مسلم، کتاب اللباس الزینۃ، ۲۱۳۰) (جسے کوئی چیز حاصل نہ ہو اور وہ اس کے حاصل ہونے کا اظہار کرے اور وہ شخص کی طرح ہے جو جھوٹ وفریب کے کپڑے ہوئے ہو)۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

اوپر یہ بھی بتایا گیا کہ عام حالات میں تغییر ممنوع ہے، اس کا جواز ایسی ضرورت یا حاجت ہی سے ہوسکتا ہے، اور شناخت چھپانا شرعی ضرورت یا حاجت کے بغیر ہے لہذا یہ عمل بلاشبہ مفسرین کی تفسیر کے مطابق تغییر خلق اللہ کے مفہوم میں شامل ہے، لہذا اس عمل کے جواز کی بہ ظاہر کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمن بن حسن النفیسہ لکھتے ہیں:

"**ومن هذه الصور عمليات التجميل الكبرى والصغرى التي يقصد**

منها تغيير معالم الوجه لإخفاء معالم جريمة ارتكبها صاحبها مثلاً فهذه الأفعال وأمثالها تعد تغييراً لخلق الله ويعد فاعلها مرتكباً لإثم كبير لكونه اتخذ الشيطان وليا من دون الله فخسر خسراناً مبيناً'' (مجلۃ البحوث الفقہیۃ المعاصرۃ، العدد الثالث والاربعون ۱۴۲۰ھ ص: ۲۲۳)۔

(انہیں ممنوعہ شکلوں میں وہ مکمل یا جزئی پلاسٹک سرجری بھی ہے جس کا مقصد چہرے کی علامات کا تبدیل کردینا ہوتا ہے تاکہ مثلاً ایسے جرائم کے نشانات مٹائے جاسکیں جن کا ارتکاب اس نے کیا تھا، تو یہ اور اس جیسے افعال کو تغییر خلق اللہ میں شمار کیا جائے گا اور کرنے والے کو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا سمجھا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو مددگار بنالیا ہے، نتیجہ میں اسے عظیم الشان خسارہ ہوا ہے)۔

لیکن اگر مظلوم اس مقصد سے سرجری کراتا ہے کہ وہ اپنی شناخت چھپا سکے اور ظالم کی ظلم سے بچ سکے تو اگر ظلم کا خطرہ حقیقی ہے صرف وہمی نہیں ہے اور خطرہ جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا ہے، نیز اس عمل کا کوئی جائز متبادل بھی موجود نہیں ہے، تو یہ حالت اضطرار ہے، اس میں سرجری ضرورت کے تحت آئے گی اور جائز ہوگی۔

یہاں بھی اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی حق پر ثابت قدم رہے، اور اس راہ میں جو کچھ آلام ومصائب آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرے، اس پر وہ بارگاہ الٰہی میں اجر وثواب کا مستحق ہوگا، شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر تکالیف اس کے لئے ناقابل برداشت ہوں تو وہ خلاف حقیقت بات زبان پر لاسکتا ہے (آل عمران: ۲۸، النحل: ۱۰۶)۔ شریعت اس کی بھی اجازت دیتی ہے کہ ظلم وتعدی سے بچنے کے لئے وہ راہ فرار اختیار کرسکتا اور کہیں چھپ سکتا ہے، صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوبصیرؓ اور مکہ میں رہنے والے دیگر متعدد مسلمانوں نے اہل مکہ کی گرفت سے بچنے کے لئے ایک مقام پر پناہ لے لی تھی

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، ۱۹۳۷، ۳/ ۳۷۲۔ ۳۷۳) لیکن شناخت چھپانے میں متعدد اسباب نہی جمع ہیں۔

اس لئے خطرہ صرف وہمی ہے یا صرف معمولی مالی یا جسمانی نقصان کا ہو، جان یا عضو کے تلف ہوجانے کا خطرہ نہ ہوتو یہ ضرورت وحاجت کے تحت نہیں آئے گا اور اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں یہ بلا سبب تغییر اللہ نیز تدلیس کے تحت آنے والی چیز ہے۔

"فإن أكره على أكل ميتة أو دم أو لحم خنزير أو شرب خمر بإكراه غير ملجئى بحبس أو ضرب أو قيد لم يحل، إذ لا ضرورة فى إكراه غير ملجئى" غیر ملجی اکراہ میں ضرورت محقق نہیں ہوتی۔

حاصل یہ ہے کہ مجرم کے لئے شناخت چھپانے کے مقصد سے سرجری کرانا جائز ہوگا، مظلوم کو حقیقی اضطرار ہوتو کرا سکتا ہے، تاہم مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے کوئی اور متبادل راہ اختیار کرنا چاہئے۔

تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ پلاسٹک سرجری کی وہ تمام صورتیں جائز ہیں، جو علاج معالجہ کی قبیل سے ہیں، ان کے علاوہ دیگر صورتیں (مثلاً کم عمر دکھائی دینے، حسن وجمال میں اضافہ کرنے یا شناخت چھپانے کے مقصد سے پلاسٹک سرجری کرانا) جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم، وعلمہ أتم، وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، والحمد للہ رب العالمین۔

باب سوم

اعضاء انسانی کی تجارت زبردست انسانی المیہ

اعضاء انسانی کی تجارت، افسوس ناک صورتحال

زبردست انسانی المیہ

مانعین اور عدم جواز کے قائل حضرات کے دلائل کو ذکر کرتے ہوئے اس طرف بار بار اشادہ کیا گیا ہے کہ اس سے اعضاء انسانی کی خرید وفروخت کا سلسلہ چل پڑے گا جو انتہائی کریہہ اور افسوسناک عمل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس وقت اعضاء انسانی کی تجارت کی عالمی منڈی قائم ہوچکی ہے، غریبوں اور مریضوں کا استحصال کرکے اسے انتہائی منفعت بخش کاروبار کی شکل میں فروغ دیا جاچکا ہے کیا ایشیا اور کیا یورپ ہر جگہ انسانیت کے قاتل ایسے مافیا سرگرم ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی ممبئی اور بنگلور جیسے شہروں میں اس طرح کے انسانیت سوز واقعات پیش آتے رہے ہیں، کئی ڈاکٹرس اور ہسپتالوں کے خلاف کارروائی بھی ہوچکی ہے۔

اس گھناؤنے جرم میں مسلم اور غیر مسلم ملک کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے، چنانچہ ایک طرف چین اگر اس کی بڑی منڈی ہے تو پاکستان بھی اس کے شانہ بشانہ کھڑا نظر آتا ہے، عرب اور غیر عرب کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے، چنانچہ چین اور پاکستان کے بعد اس طرح جرائم کا سب سے بڑا مرکز مصر ہے، عالمی سطح پر اس سلسلے کی تفصیلات انتہائی دل دوز اور جگر خراش ہیں، ہم ذیل میں اس حوالے سے چند خبروں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

برطانیہ کے نصف سے زائد ہسپتالوں میں اعضاء کی چوری:

برطانیہ کے حوالے سے ایک اخباری تجزیے میں یہ تلخ حقیقت سامنے آئی ہے کہ

وہاں کے نصف سے زائد مرکزی ہسپتالوں میں مریضوں کے اعضاء نکال لیے جانے کا گھناؤنا کھیل جاری ہے، چنانچہ برطانیہ کے مشہور اخبار دی سنڈے ٹیلیگراف نے ۲۹/۱/۲۰۰۱ء کی اشاعت میں عنوان کچھ اس طرح قائم کیا ہے۔

Half of hospitals involved in body parts scandal.

اخبار کے مطابق حکومت نے اعضاء نکال کر انہیں محفوظ کر لینے یا دواساز کمپنیوں کے ہاتھوں فروخت کر دیئے جانے کے واقعات کی تحقیق کے لئے ایک بااختیار کمیٹی تشکیل دی تھی، اس کمیٹی نے جو رپورٹ تیار کی ہے وہ انتہائی افسوس ناک اور چونکا دینے والا ہے۔ رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے مختلف ہسپتالوں میں چالیس ہزار اعضاء ایسے پائے گئے جنہیں مریضوں کا آپریشن کر کے نکال لیا گیا ہے، اس رپورٹ کے آنے کے بعد بڑے پیمانے پر اس انسانی المیے کے حوالے سے بحث شروع ہوگئی ہے، برطانوی وزیر صحت نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھے اس سے جو دکھ پہنچا ہے آج تک کسی اور رپورٹ سے نہیں پہنچا۔

امریکہ میں کوما میں چلے گئے مریضوں کا قتل:

دوسری طرف امریکہ میں کوما میں چلے گئے مریضوں کے قتل سے ایک نئی بحث چھڑ گئی ہے، امریکی اخبارات کے مطابق پچھلے چار مہینوں سے کلیولانڈ (Cleveland) ہاسپٹل جو امراض قلب کے علاج کے لئے دنیا کا اہم اور معتبر ہسپتال خیال کیا جاتا ہے، اس پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ یہ ہسپتال اپنی غیر اعلان شدہ پالیسی کے تحت اپنے یہاں زیر علاج مریضوں کی موت کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے اور اس کا مقصد ان مریضوں کے تازہ اعضاء حاصل کر کے ان کا روبار کرنا ہے۔ ہسپتال کے ڈاکٹر دماغ کی آخری لہر کے ختم ہونے کا انتظار نہیں کرتے اور مریض کی کامل بے ہوشی یا کوما کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جسم کے قیمتی اعضاء نکال لیتے ہیں، اخبار کے مطابق اس طرح کی صورت حال امریکہ میں عام ہو چکی ہے،

بالخصوص جب کہ ہسپتال نے پہلے ہی اس مریض سے اجزاء بہ طور عطیہ دیئے جانے کی اجازت لے رکھی ہو'' (اخبار ''الیوم'' ۲۳/۸/۱۹۹۷ء)۔

پس ماندہ اور جنگ زندہ ممالک میں اعضاء نکالنے کا سلسلہ:

البانیہ کی صورت حال:

مصری روزنامہ ''اہرام'' نے اس طرح عنوان قائم کیا ہے، ''**أطفال ألبانيا قطع غيار**'' یعنی البانیہ کے بچے فالتو پرزے ہیں جو پرانے پرزوں کی جگہ استعمال ہو رہے ہیں۔

اخبار کے مطابق یونانی ذرائع ابلاغ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ البانیہ کے بچے اب فقط فالتو پرزے بن کر رہ گئے ہیں، ذرائع کے مطابق جن البانوی بچوں کا البانیہ اور اٹلی کے مافیاؤں نے اغوا کر لیا تھا، ان سب کا راجدھانی ''تیرانہ'' میں آپریشن کر کے جسم کے بعض اجزاء نکال لیے گئے تا کہ انہیں اٹلی اور یورپ کے اہل ثروت مریضوں کے ہاتھوں فروخت کیا جا سکے'' (الاہرام ۲۶/۷/۹۸ء)۔

بوسنیا کی صورت حال:

ایک فرانسیسی اخبار کے حوالے سے مذکورہ اخبار نے لکھا ہے کہ جنگ بوسنیا میں مارے گئے لوگوں کے اعضاء نکال کر انہیں خاص ہسپتالوں میں انتہائی گراں قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ اخبار نے مزید لکھا ہے کہ ''یورپی بنک برائے اجزاء انسانی'' کی متعدد ملکوں میں تجارتی شاخیں قائم ہیں جو انسانی خلیوں اور اعضاء کی مارکٹنگ کرتی ہیں، ان دنوں خود فرانس کو ایسے اعضاء کی سخت ضرورت ہے، اور ایسے اعضاء کے ضرورت مند لوگوں کی بڑی تعداد یہاں موجود ہے، چنانچہ سال گزشتہ تین سو ایسے افراد کی موت ہو گئی جو اعضاء کی پیوندکاری کی انتظاری لسٹ میں شامل تھے'' (الاہرام ۱۶/۵/۱۹۹۴ء)۔

باقان کے باشندے پانچ ہزار یورو میں گردہ بیچ دیتے ہیں:

''الشرق الاوسط'' نے اپنی رپورٹ ۱۳/۹/۲۰۰۲ء میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کے مطابق یورپ کے لوگ بڑی تعداد میں گردہ اور جگر وغیرہ اجزاء انسانی کی خریداری کے لئے جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے بجائے بلقان کا رخ کرنے لگے ہیں، کیوں کہ ہندوستان اور فلیپائن جیسے ملکوں سے جو اعضاء برآمد کئے گئے تھے ان کے بارے میں یہ تلخ تجربات سامنے آئے کہ یورپی پاشندگان کے جسم انہیں پوری طرح قبول نہیں کرتے، نیز ہندوستان وغیرہ کی بہ نسبت یہ بلقان میں ارزاں قیمت پر دستیاب ہوجاتے ہیں، اور بلقان بالخصوص بوسنیا اور البانیہ میں جو غربت ہے، اسی کی وجہ سے یہ کاروبار وہاں خوب چمک رہا ہے، بلقان کے باشندے اپنا ایک گردہ پانچ ہزار یورو سے بھی کم میں ہی فروخت کردیتے ہیں۔

اٹلی بچوں کے اعضاء چرانے والے کی پناہ گاہ:

''الأخبار'' (۲۲/۹/۹۴ء) کے مطابق اٹلی کے وزیر برائے خاندانی بہبود نے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے خود یہ اعتراف کیا ہے کہ اٹلی غیر ملکی بچوں کے اعضاء چوری کرنے والے گروہوں کی پناہ گاہ بن چکا ہے، وزیر کے مطابق بہت سے بچوں کو اٹلی کے بعض خاندانوں کے لئے منہ بولا بیٹا بنا کر لایا جاتا ہے، لیکن وہ خاندان کہیں منظر نامے سے غائب ہوجاتے ہیں اور ان بچوں کے اجزاء چرالیے جاتے ہیں۔

بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے ہ کہ قیدیوں کو محض اس لئے موت کی نیند سلادیا گیا کہ ان کے اجزاء نکالے جاسکیں، خود اسرائیل نے بعض مصری قیدیوں کے ساتھ اس طرح کا وحشیانہ سلوک کیا ہے (دیکھئے: الاہرام ۱/۲/۱۹۹۶ء)۔

چین میں موت سے قبل اعضاء نکال لینے کا انکشاف:

دنیا کے سب سے بڑے ملک چین میں یہ اندوہ ناک واقعہ پیش آچکا ہے کہ چند وہ افراد جن کو عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی تھی، انہیں زندہ ہی کھڑا کر کے نہایت وحشیانہ طریقے پر ان کے قیمتی اعضاء نکال لیے گئے، تفصیلات کے مطابق ہر نئے سال کے ایک ماہ بعد قید خانے میں محبوس چند افراد کو اجتماعی طور سے پھانسی دے دی جاتی ہے۔ ایک سرکاری افسر کا کہنا ہے کہ مجرمین کی سرکوبی، ملک میں امن بحال کرنے، نئے سال کے جشن اور چینی عوام کے لئے اس کو خوشحال بنانے کے مقصد سے یہ عمل ضروری قرار پاتا ہے، چنانچہ چین کے صنعتی شہر ''شنگھائی'' میں صرف ایک دن میں ۲۵ /افراد کو پھانسی دی گئی۔ حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کے مطابق ۱۹۹۲ء میں ۱۰۷۹ اور ۱۹۹۳ء میں ۱۴۱۹ افراد کو پھانسی دی گئی، اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

پھانسی پانے والے یہ افراد چین کے دولت منداور حکمراں طبقے کے لئے امید کی کرن ہوتے ہیں کیوں کہ پھانسی سے قبل ہی یا پھانسی کے فوراً بعد ان کے اعضاء رئیسہ کو نکال کر چین کی حکمراں پارٹی کے ممبران کو دے دیا جاتا ہے، یہ تفصیلات بی بی سی کی ٹیلی ویژن سروس نے گزشتہ ۲۷/ اکتوبر ایک دستاویزی فلم میں بھی نشر کی ہے۔ بی بی سی کے نمائندے نے نام نہ بتانے کی شرط پر ایک چینی ڈاکٹر کا بیان بھی نشر کیا ہے جس میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ اس نے چار زندہ آدمیوں کا جگر اور گردہ برسر اقتدار پارٹی کے بعض اہم عہد یداران کے لئے نکالا تھا۔

اس ہیبت ناک انسانی المیے کی کہانی کا ویڈیو نیٹ پر موجود ہے، یہ پورا ویڈیو مصری اطباء کی سائٹ www.medethics.org.eg پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جہاں یہ عبارت تحریر ہے :(اضغط هنا لمشاهدة أفلام فيديو عن انتزاع الأعضاء من المحكوم

علیھم بالاعدام وھم أحیاء)۔

ارجنٹینا میں اعضاء کے لئے ہزاروں مریضوں کو مار دیا گیا:

۱۹۹۲ء میں ارجنٹینا سے آنے والی اس خبر نے بھی انسانیت نواز لوگوں کو صدمے میں ڈال دیا تھا کہ ذہنی امراض کے شکار ہزاروں لوگوں کو صرف اس لئے قتل کر دیا گیا تھا کہ ان کے اعضاء کو بین الاقوامی مارکیٹ میں فروخت کیا جا سکے۔

اخبارات کے مطابق ارجنٹینا کی راجدھانی میں دماغی امراض کے علاج کے لئے مشہور ایک ہسپتال میں ڈاکٹروں نے ۲۷۲۶ دماغی مریضوں کو اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا کہ وہ ان کے اعضاء رئیسہ حاصل کر کے ان کی تجارت کر سکیں۔ حکام نے اس پورے واقعہ میں ہسپتال کے ڈائریکٹر کے ملوث ہونے کی بھی تصدیق کی تھی (الاخبار ۱۹/ ۴/ ۹۲ء)۔

انسانیت کو شرمسار کرنے والے اس طرح کے واقعات کثرت سے آج کی مہذب دنیا کے مختلف خطوں میں پیش آتے رہتے ہیں، ان کی روک تھام کے لئے بنائے گئے سارے ملکی قوانین بے بس نظر آتے ہیں، دراصل جب تک خوف خدا اور انسان کی شرافت و کرامت کے حوالے سے اسلام کا پیش کردہ تصور ذہن میں راسخ نہ ہو جائے اس وقت تک ان واقعات پر قابو پانا انتہائی مشکل ہے۔

باب چہارم

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث

موضوع کی وضاحت:

اجزاء یا اعضاء انسانی میں عموم ہے، خواہ عضو کامل ہو، جیسے گردہ اور جگر وغیرہ، یا عضو کا جزو ہو، جیسے آنکھ کا قرنیہ، یا وہ تسیج یا خلیے ہوں جیسا کہ خون اور ہڈی کے گودے کی صورت میں ہوتا ہے، غرضیکہ یہاں عضو سے مراد انسان کے نسیجوں، خلیوں اور خون وغیرہ میں سے کوئی بھی جزو ہے، خواہ وہ جزو متصل ہو یا جسم انسانی سے الگ ہو، اس لئے بعض عرب علماء نے اس پورے عمل کو اس طرح تعبیر کیا ہے:

"يقصد به نقل عضو سليم أو مجموعة من الأنسجة من متبرع إلى مستقبل ليقوم مقام العضو أو النسيج التالف" (الموقف الفقہی والأخلاقی من قضیۃ زرع الأعضاء، ص: ۸۹، البنوک الطبیہ: ۶۴)۔

(جس کا مقصد کسی صحیح سالم عضو یا نسیجوں کو متبرع (عطیہ کنندہ) سے مستقبل (عطیہ قبول کرنے والا، متاثر شخص) کی طرف منتقل کرنا ہوتا ہے، تاکہ یہ ناکارہ عضو یا نسیج کی جگہ لے سکے)۔

اسلامی تصور:

آیات کی روشنی میں اسلام کا بنیادی تصور یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کا جسم انسان کی ملک نہیں ہے کہ وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اسی تصور کی وجہ سے اپنی جان لینے اور خودکشی کرنے کو اکبر الکبائر قرار دیا گیا ہے، بلکہ جسم انسانی خالص ملک خداوندی ہے،

انسان اپنی مرضی سے اس کے کسی جزو کو نہ تو بیچ سکتا ہے اور نہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے نہ اس میں قطع وبرید کرسکتا ہے اور نہ بے جا استعمال کرسکتا ہے، خالق حقیقی کی طرف سے جہاں اور جس قدر استعمال کی اجازت دی گئی ہے اس سے زیادہ استعمال اس کی طرف سے تعدی خیال کی جائے گی اور اس کا اسے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

قدیم کتب فقہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ چاروں مذاہب فقہیہ متبوعہ میں سے کسی میں اجزاء انسانی کے ہبہ یا نقل کی اجازت نہیں دی گئی ہے، بلکہ چاروں مذاہب نقل اعضاء کی تحریم کے قائل ہیں۔

جواز وعدم جواز کے سلسلے میں علماء کے اقوال:

علماء ہندو پاک کے علاوہ ۲۴ معاصر عرب علماء کے اسامی ذکر کئے گئے ہیں جو اجزاء انسانی کے عطیے کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان حضرات نے عموماً جسم انسانی کے مملوک خداوندی ہوئے، آیت: "**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**"، "**ولقد كرمنا بني آدم**"، **لقد خلقنا الإنسان في أحسن تقويم**"، اعضاء میں قطع وبرید اور خودکشی کی حرمت پر دلالت کرنے والی روایات اور انسان کے مملوک ومتقوم نہ ہونے کی فقہی عبارات سے استدلال کیا ہے۔ قائلین جواز نے ان دلائل کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن ان جوابات کا رد اصول فقہ ومقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے زیادہ مشکل نہیں ہے قائلین جواز نے دلیل کے طور پر آیت: "**إن الله اشترى من المؤمنين أنفسهم**"، بنی اسرائیل کے ایک شخص کی وصیت والی حدیث، دیت کی نصوص، اور ہدایہ کی ایک عبارت اور عورت کے دودھ سے علاج کے جواز پر قیاس کو پیش کیا ہے، لیکن یہ سارے دلائل اپنے مدعی پر غیر واضح اور احتمالات بعیدہ کے درجے میں ہیں، چنانچہ ہر دلیل کا رد واضح طور پر تحریر کردیا گیا ہے، اور دکتور عبدالسلام اسکری کا یہ قول بھی، "**إنه على حين يقدم القائلون بتحريم نقل الأعضاء الآدمية الأدلة**

الشرعية على التحريم فإن القائلين بالإجازة لا يقدمون دليلاً فقهياًواحداً على ذلک"(تفصیل کے لئے دیکھئے:اصل مقالہ)۔

انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے چند شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہوئے کہا ہے کہ کسی انسان کے جسم کا کوئی عضواسی انسان کے جسم میں دوسری جگہ لگانا اس اطمینان کے بعد جائز ہوگا کہ پیوندکاری سے متوقع فائدہ اس پر مرتب ہونے والے نقصان سے زائد ہو، مکہ مکرمہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے میں کہا گیا ہے کہ کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے اس دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا جو اپنی زندگی بچانے کے لئے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں سے کسی عمل کو بحال کرنے کے لئے اس کا ضرورت مند ہو ایک جائز عمل ہے۔

شرائط جواز:

جن فتاوی یا اکیڈمی کی تجاویز میں اعضاء کے نقل یا عطیہ کی اجازت دی گئی ہے ساتھ ساتھ چند شرائط کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بعض کا تعلق زندہ سے اور بعض کا مردہ سے ہے، اور بعض شرائط دونوں کے درمیان مشترک ہیں، مجموعی اعتبار سے وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے جسم کے کسی جز کا ہبہ کرنے والا شخص متبرع ہو یعنی یہ عطیہ بلاعوض ہو کسی مادی منفعت یا نفع کے بدلے میں نہ ہو۔

۲۔ یہ عطیہ متبرع کے اختیار اور کامل رضامندی سے ہو، اس پر کوئی جبر اور اکراہ نہ ہو۔

۳۔ اس بات کا ظن غالب ہو کہ عطیہ دینے کے بعد عطیہ دہندہ ضرر عظیم یا ہلاکت کا شکار نہیں ہوگا، لہذا ایسے کسی بھی عضو کا عطیہ حرام قرار پائے گا، جس پر زندگی موقوف ہو یا جس کے نہ ہونے سے زندگی دوبھر ہو جائے۔

۴۔ میت کے جسم کا کوئی بھی حصہ منتقل کرنے کی صورت میں ضروری ہے کہ اس بات کا تیقن ہو جائے کہ یہ شخص مر چکا ہے اور اس کے اندر زندگی کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا ہے۔

۵۔عطیہ دہندہ کی منظوری اور اجازت یا اس کے ولی کی اجازت ہو۔

۶۔جس کو بطور عطیہ دیا جارہا ہے وہ اس جزو انسانی کا محتاج اور اضطرار کی حد تک پہنچ چکا ہو، اس طور پر کہ اس کی زندگی یا اس کے جسمانی نظام کی درستگی اسی عضو پر موقوف ہو۔

۷۔اس عطیہ کی وجہ سے عطیہ دہندہ کے جسم میں کوئی بڑا عیب اور ظاہری بگاڑ پیدا نہ ہو۔

۸۔عطیہ دہندہ کامل الاہلیت ہو۔

۹۔اس بات کا ظن غالب ہو کہ یہ آپریشن کامیاب رہے گا اور مریض اس کے بعد ٹھیک ہوجائے گا۔

۱۰۔جس شخص کو بہ طور عطیہ دیا جارہا ہے وہ مباح الدم نہ ہو، مثلاً مرتد یا زانی محصن یا ناحق کسی اور کو قتل کرنے والا نہ ہو۔

۱۱۔اس مریض مضطر کے علاج کے لئے اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت نہ ہو۔

۱۲۔لازمی طور سے یہ احتیاط برتی جائے کہ اس سے عطیہ دہندہ کی موت نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے انسانی اعضاء کی اسمگلنگ کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

بلڈ بینک:

قیام کا پس منظر:

خون منتقل کرنے میں مختلف تجربات اور نت نئے اکتشافات کے پس پردہ درحقیقت وہ مختلف جنگیں ہیں جو پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے دوران ہوئیں، چنانچہ پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء) کے دوران بڑی وافر مقدار میں متاثر فوجیوں کو خون چڑھایا گیا، اسپین کی خانہ جنگی (۱۹۳۷۔۱۹۳۹ء) نے بھی بڑے پیمانے پر خون کے جمع وحفاظت کے لئے ڈاکٹروں کو متوجہ کیا۔اس کے علاوہ دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹۔۱۹۴۵ء) کے دوران خون

کی طلب اور زیادہ بڑھ گئی، اور ایک اندازے کے مطابق صرف ایک شہر لندن میں دوسو ساٹھ ہزار لیٹر سے زیادہ خون جمع کر کے مریضوں کو دیا گیا۔

دنیا کا پہلا خون بینک:

البتہ یقینی طور پر دنیا میں قائم ہونے والے پہلے بلڈ بینک کی تعیین مشکل ہے، اس سلسلہ میں تین رائے ملتی ہیں:

پہلی رائے: دنیا کا پہلا بلڈ بینک ۱۹۳۱ء میں روس کے شہر موسکو میں قائم ہوا۔

دوسری رائے: ۱۹۳۶ء میں دنیا کے پہلے بلڈ بینک کا افتتاح شکاگو کے ایک ہسپتال کوک کاؤنٹی میں ہوا۔

تیسری رائے: دوسری عالمی جنگ کے اختتام یعنی ۱۹۴۵ء کے بعد ڈاکٹر اس جانب متوجہ ہوئے۔

اس کے بعد میڈیکل سائنس کی ترقی کے ساتھ یہ بلڈ بینک بھی ترقی کرتے رہے۔

بلڈ بینک کے مضرات:

اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ بلڈ بینک کی تمام تر افادیت اور مریضوں کے علاج میں اس کے غیر معمولی نافع ہونے کے باوجود، اس میں جمع شدہ خون کے استعمال میں بہت سارے نقصانات کا بھی اندیشہ رہتا ہے، اور بسا اوقات اس کا خون مریض کے لئے تباہ کن ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ خون کے مفید ثابت ہونے کے لئے صرف بلڈ گروپ، H.R کی تعیین اور مریض کے خون سے اس کی موافقت ہی کافی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ کافی ہے کہ وہ مشینیں گرم ماحول اور جراثیم زدہ آلودگی سے دور ہوں، بلکہ ان کے علاوہ بھی کئی اسباب ہیں جن کے سبب خطرات باقی رہ جاتے ہیں۔ اصل مقالے میں ان خطرات اور خدشات کی نشاندہی کے

ساتھ ہم نے یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ بہت سی مہلک بیماریاں (مثلاً ملیریا اور ایڈز) اس خون کے ذریعہ عطیہ دہندہ کے جسم سے مریض کے جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ لیبارٹری کی جانچ اور تحلیل میں ابتدائی مہینوں میں ایڈز کی شناخت نہیں ہو پاتی ہے، اس لئے اس کے خون کو صالح سمجھ کر کسی اور کو عطیہ دے دیا جاتا ہے، اور وہ خون کے ساتھ ایچ آئی وی وائرس بھی اپنے جسم میں داخل کر لیتا ہے۔

حکم شرعی:

بہت سے اہل علم بلڈ بینک کے قیام کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں: ''مریض کے خون کا نمبر اور جو خون چڑھایا جائے اس کا نمبر یکساں ہونا ضروری ہوتا ہے، اس لئے ایک ایک نمبر کی کافی مقدار کا محفوظ رہنا ضروری ہوتا ہے، ان جوہات کی بنا پر بینک کا قیام درست معلوم ہوتا ہے، ''لأن الشئی إذا ثبت ثبت بجمیع لوازمه''، لہذا اس فراہمی کے محفوظ رکھنے کے جو مناسب طریقے ہوں گے اور ان میں جو اخراجات درکار ہوں گے ان سب کو بھی حدود شرع میں برداشت کرنا ہوگا۔

سعودی عرب کی ہیئۃ کبار العلماء کی کونسل نے بھی بلڈ بینک کے قیام کے جواز کی تجویز منظور کی ہے جو اس طرح ہے:

''رضا کارانہ طور پر لوگوں کی طرف سے دیئے گئے خون کو قبول کرنے اور ان کی حفاظت کے لئے اسلامی بینک قائم کرنا جائز ہے تا کہ ضرورت مند مسلمان کی حاجت روائی ہو سکے۔ شرط یہ ہے کہ وہ بینک مریضوں یا ان کے اولیاء سے امداد کے لئے دیئے گئے اس خون کا معاوضہ نہ وصول کرے اور نہ ہی کمائی اور آمدنی کا ذریعہ بنائے، بینک کا قیام اس لئے جائز

ہے کہ اس سے مسلمانوں کا عام مفاد وابستہ ہے''۔

جواز کے دلائل:

جن حضرات نے بلڈ بینک کے قیام کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے عمومی اعتبار سے درج ذیل فقہی اصول وضوابط سے استدلال کیا ہے:

۱۔عصر حاضر میں نقل دم کی زبردست حاجت کی تکمیل اس کے ذریعہ ہوتی ہے، اس طرح اس سے عامۃ المسلمین کی مصلحت عامہ وابستہ ہے، اس لئے اس کے قیام کی اجازت ہے۔

۲۔شریعت مطہرہ میں درء مفاسد اور جلب مصالح کی خاص اہمیت ہے اور اس بینک سے بھی یہی غرض ہوتی ہے۔

۳۔فقہ کا مشہور قاعدہ ہے :''الضرورۃ تبیح المحظورات''۔

۴۔ایک قاعدہ یہ بھی ہے :''مالا یتم الواجب إلا بہ فھو واجب''۔

۵۔جان اور نفس کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے اور اس طرح کے بینکوں کے قیام میں ان بہت سی جانوں کی حفاظت ہے جنہیں خون کی ضرورت ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: اصل مقالہ)۔

خون کے عطیہ پر انعام واکرام:

رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دینے والوں کو انعام واکرام کے نام پر جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: جانبین سے اس کی شرط ہوگی، یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ درحقیقت قیمت وصول کرنا ہے اور خون کی قیمت جائز نہیں ہے۔

دوسری صورت: یہ انعامات اور تحائف محض اکرام اور تشجیع کے لئے ہوں، پہلے سے

کوئی شرط نہ ہو، تو اس میں معاصر علماء میں اختلاف ہے۔

پہلی رائے: یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، سعودی عرب کی افتاء کمیٹی کا یہی فتوی ہے۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ انعامات تبرعات کی قبیل سے ہیں، بیوع اور معاوضات کی قبیل سے نہیں ہیں اور ناجائز خون کا معاوضہ اور بیع ہے، اور یہ بیع اس لئے نہیں ہے کہ بیع نام ہے، ''مبادلۃ المال بالمال بالتراضی'' کا اور خون مال ہی نہیں ہے، نیز عرفاً بھی اس کو بیع نہیں خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ کبھی انعام ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے، کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ ہوتا ہے، کوئی کم خون دے یا زیادہ اور کسی بھی گروپ کا خون دے سب کو یکساں انعام اور تحفہ دیا جاتا ہے، المجمع الفقہی مکہ مکرمہ کا یہی فیصلہ ہے۔

دودھ بینک (Milk Bank) قیام، نقصانات، حکم:

مغربی ممالک کے باشندگان نے قانون فطرت سے بغاوت کر کے الگ نظام زندگی اپنایا اور خواتین کو ان کی فطرت کے خلاف مشکل راہ پر ڈال دیا، اور اپنے زعم کے مطابق جب انہیں مساوات اور آزادی کے نام پر زینت خانہ سے زینت محفل بنا کر گھروں سے باہر کر دیا تو بچوں کی پرورش اور ان کی رضاعت کا سنگین مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا، اب عورت کے پاس اتنی فرصت نہیں رہ گئی کہ وہ اپنے لخت جگر کو اپنی چھاتی سے لگا کر اپنے جسم کا طاقتور مادہ دودھ ان کے حلق تک پہنچا سکے، اس لئے متبادل کی تلاش شروع ہوئی، اور متبادل کے طور پر سب سے پہلے جانوروں کے دودھ سے تیار کردہ مادہ سے پرورش کی گئی اور اس طرح کا دودھ سب سے پہلے برطانیہ میں ۱۹۴۳ء میں اور اس کے بعد مختلف ملکوں میں بنایا گیا، لیکن جب مختلف طبی تحقیقات کے نتیجے میں بچوں کے لئے اس کے مضر اثرات کا علم ہوا، اور ماؤں کے دودھ کی اہمیت وافادیت سامنے آتی گئی اور دنیا کے ملکوں کی وزارت صحت نے لوگوں کو ماں کا ہی دودھ استعمال

کرنے کی صلاح دی تو مغرب کو انسانی دودھ کا مرکز قائم کرنے کا خیال آیا، اور اس طرح ملک بینک وجود میں آنے شروع ہو گئے۔

سائنسی نقطہ نظر سے اگر چہ اس طرح کے مراکز کے قیام کو درست ٹھہرایا جاتا ہوتا ہم اس کے نقصانات اور صحت اور معاشرے پر مرتب ہونے والے اس کے منفی اثرات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مختلف جہتوں سے ان مضرتوں کا جائزہ لیا گیا ہے (دیکھئے: اصل مقالہ)۔

جمہور علماء اور فقہاء اس طرح کے بینک کے قیام کو ناجائز مانتے ہیں، انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی اپنے دوسرے سمینار میں عدم جواز کی تجویز منظور کر رکھی ہے اور کہا ہے کہ عالم اسلام میں ماؤں کے دودھ بینک قائم کرنا ممنوع ہے۔

عدم جواز کے دلائل:

دودھ بینک کے قیام کے عدم جواز پر متعدد دلائل دیئے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ دودھ بینک سے حرمت عام ہو جاتی ہے، جس سے نسب میں اختلاط اور شبہ پیدا ہو سکتا ہے جس سے محظور شرعی لازم آئے گا۔

۲۔ قاعدہ ہے: "الضرر لا یزال بالضرر"۔

۳۔ دودھ بینک کے منفی پہلو اور مضرات اس کے مثبت پہلو اور فوائد سے بڑھ کر ہیں، اور اس کی ضروت شدید بھی نہیں ہے۔

دودھ بینک سے حرمت رضاعت کا ثبوت:

دلائل سے واضح ہے کہ ثبوت حرمت کے لئے چھاتی سے ہی پلانا ضروری نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہی جمہور کا قول ہے اور احادیث وآثار سے مؤید ہے، اس لئے ہمیں دودھ

بینک کے مسئلے پر اسی قول کی روشنی میں غور کرنا چاہئے۔

بینک کے جو دودھ حاصل کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ بچے کی نشوونما اسی سے ہوتی ہے، انبات لحم اور انشاز عظم اسی سے ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ صرف فرق اتنا ہے کہ وہ دودھ ڈبے یا بوتل کے ذریعہ بچے کے حلق تک پہنچایا جاتا ہے، لیکن اس سے ثبوت حرمت میں کوئی خلل نہیں آتا۔

لہذا بینک کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہوجائے گی، اس لئے بینک والے کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہر عورت کے دودھ کی تفصیل رکھے، اور خواہش مند کو دودھ دیتے وقت اس کی وضاحت کردے، اور اگر وہ اس طرح نہیں کرسکتا تو بینک ہی قائم نہ کرے تاکہ لوگ نئے نئے مسائل کے شکار نہ ہوں، انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی ثبوت حرمت کی تجویز منظور کررکھی ہے۔

منی بینک، قیام، نقصانات، حکم:

منی کو محفوظ رکھنے کا تصور ۱۹۵۰ء میں سامنے آیا جب سائنسدانوں نے جانداروں کے منی کو جمع کرکے بہ وقت ضرورت مصنوعی حمل آوری میں اس کے استعمال کی بابت غوروخوض شروع کیا، دراصل پیداواری صلاحیت کی کمی (Infertility) اور بانجھ پن (Sterility) دو ایسی طبی پریشانیاں ہیں جن کا دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے ۱۰ سے ۱۵ فیصد افراد کو سامنا ہے، بلکہ اس تعداد میں روز بہ روز خطرناک حد تک بعض ملکوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

البتہ دنیا کا پہلا منی بینک کب شروع ہوا؟ اس میں دو آراء ہیں:

۱۔ ان بینکوں کا پھیلاؤ ستر کی دہائی میں ہوا۔

۲۔ ۱۹۸۰ء میں پہلا منی بینک قائم کیا گیا۔

بینک میں جمع شدہ منی کے استعمال سے کئی طرح کے خطرات کا اندیشہ رہتا ہے، چنانچہ طبی ومعاشرتی اعتبار سے اس کے کئی نقصانات ذکر کئے گئے ہیں (دیکھئے: اصل مقالہ)۔

جمہور معاصر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس طرح کے بینکوں کا قیام حرام اور ممنوع شرعی کا ارتکاب ہے، اور اس پر واضح دلائل شرعیہ موجود ہیں، چنانچہ جامع ازہر کی فتوی کمیٹی کے فیصلے میں اس کی حرمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"إن وجود مثل هذه البنوک سيؤدي إلى إشاعة الفواحش والمنكرات"۔

واضح ہو کہ آئی بینک میں صرف قرنیہ (Cornea) اور صلبہ (Sclera) یعنی مضبوط سفید حصے کو محفوظ کیا جاتا ہے، اس لئے کہ آنکھوں کی پیوندکاری میں صرف یہی حصہ کارآمد ہوتا ہے، اس لئے اس کو کبھی قرنیہ بینک کا بھی نام دے دیا جاتا ہے۔

آئی بینک:

دنیا کا سب سے پہلا آنکھ بینک ۱۹۴۴ء میں امریکہ میں قائم ہوا، اس کے بعد مختلف ممالک اور شہروں میں یہ بینک قائم کئے جانے لگے، ہندوستان میں بھی یہ بینک بڑی تعداد میں موجود ہیں، ویب سائٹ پر فراہم کئے گئے اعداد وشمار کے مطابق ۸۰ سے زائد آئی بینک ہمارے ملک میں کام کررہے ہیں جن میں سب سے زیادہ یعنی تقریباً ۲۹ بینک مہاراشٹر میں ہیں۔

آئی بینک کا منفی پہلو یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر اس کے ذریعہ بھی انسانی اعضاء کی تجارت کا شرمناک عمل فروغ پارہا ہے، اور صحت کے نقطہ نظر سے بھی اس کے مضر اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جو حضرات اعضاء انسانی کے عطیہ اور نقل کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کی اجازت دیتے ہیں، اور اکثر حضرات جو عدم جواز کے قائل ہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

کھال کے بینک:

میڈیکل بالخصوص جراحت اور کھال کی پیوندکاری کے شعبہ میں غیر معمولی اور زبردست ترقی کے نتیجے میں کھال کے بینک وجود میں آئے، اور غالباً دنیا میں اس نوعیت کا پہلا بینک بوسٹن (امریکہ) کے ایک ہسپتال شیریزس برنس (Shriners Burns Hospital) کے زیر اہتمام قائم ہوا، یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے، ہندوستان میں بھی ممبئی، کولکاتا اور پونے جیسے بڑے شہروں میں یہ بینک قائم ہوا۔

اس طرح کے بینکوں سے استفادہ کے نتیجے میں ماہرین کئی طرح کے مضرات کے خدشات ظاہر کرتے ہیں (دیکھئے: اصل مقالہ)۔

بعض اہل علم مثلاً دکتور عبد السلام السکری وغیرہ اس طرح کے بینکوں کے عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ بعض معاصر اہل علم اس کی چند شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔

چنانچہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں کویت میں "رؤية إسلامية لبعض المشاكل الصحية" کے عنوان سے منعقد کانفرنس میں چند شرائط کے ساتھ جواز کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

قائلین جواز نے متعدد دلائل پیش کئے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں ایک بھی اپنے مدعی پر واضح نہیں ہے، جس کو ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں جب کہ عدم جواز پر سات واضح دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔

انسانی اعضاں کی تجارت، زبردست انسانی المیہ:

اس وقت اعضاء انسانی کی تجارت کی عالمی منڈی قائم ہو چکی ہے، غریبوں اور مریضوں کا استحصال کر کے اسے انتہائی منفعت بخش کاروبار کی شکل میں فروغ دیا جا چکا ہے، کیا ایشیا اور کیا یورپ ہر جگہ انسانیت کے قاتل ایسے گروہ سرگرم ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں

ممبئی اور بنگلور جیسے شہروں میں اس طرح کے انسانیت سوز واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ کئی ڈاکٹرس اور ہسپتالوں کے خلاف کارروائی بھی ہوچکی ہے۔

اس گھناونے جرم میں مسلم اور غیر مسلم ملک کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے، چنانچہ ایک طرف چین اگر اس کی بڑی منڈی ہے تو پاکستان بھی اس کے شانہ بشانہ کھڑا نظر آتا ہے۔ عرب اور غیر عرب کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے، چنانچہ چین اور پاکستان کے بعد اس طرح کے جرائم کا سب سے بڑا مرکز مصر ہے، عالمی سطح پر اس سلسلہ کی تفصیلات انتہائی دل دوز اور جگر خراش ہیں (تفصیلات کے لئے دیکھئے: اصل مقالہ)۔

انسانیت کو شرمسار کرنے والے اس طرح کے واقعات کثرت سے آج کی مہذب دنیا کے مختلف خطوں میں پیش آتے رہتے ہیں، ان کی روک تھام کے لئے بنائے گئے سارے ملکی قوانین بے بس نظر آتے ہیں، دراصل جب تک خوف خدا اور انسان کی شرافت و کرامت کے حوالہ سے اسلام کا پیش کردہ تصور ذہن میں راسخ نہ ہوجائے اس وقت تک ان واقعات پر قابو پانا انتہائی مشکل ہے۔

والحمد لله أولاً وآخراً، وصلى الله على النبى الكريم محمد وآله وصحبه أجمعين۔

اہم مآخذ ومراجع:

اس دراسہ کی تیاری میں تفسیر، حدیث، فقہ واصول فقہ کی اہم کتابوں کے علاوہ مختلف عربی رسائل ومجلّات اور انٹرنیٹ پر موجود بعض اہم سائٹس سے استفادہ کیا گیا ہے، ذیل میں صرف ان چند کتابوں کے نام درج کئے جارہے ہیں جو اس موضوع پر لکھتے ہوئے خصوصیت کے پاس پیش نظر رہیں۔

نمبر شمار	اسماء کتب	مصنفین	مطابع
۱	القرآن الکریم		
۲	انسانی اعضاء کا احترام	مفتی عبدالسلام چاٹگامی	اسلامی کتب خانہ کراچی
۳	انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے		ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی
۴	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	ملک العلماء الکاسانی	دار الکتاب العربی، بیروت
۵	البنوک الطبیۃ البشریۃ وأحکامہا الفقہیۃ	الدکتور اسماعیل مرحبا	دار ابن الجوزی
۶	پلاسٹک سرجری (تلخیص)	اشرف عباس قاسمی	ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی
۷	تعریف اہل الاسلام بأن نقل العضو حرام	شیخ عبد اللہ بن محمد بن صدیق الغماری	مکتبۃ القاہرۃ
۸	حکم نقل أعضاء الانسانی فی الفقہ الاسلامی	الدکتور حسن علی الشاذلی	کتاب الجمہوریۃ

۹	حکم التداوی بالمحرمات	شیخ عبد الفتاح محمود ادریس	
۱۰	روح المعانی	العلامۃ محمود الآلوسی	دار الحدیث القاہرہ
۱۱	صحیح البخاری	الامام محمد بن اسماعیل البخاری	
۱۲	صحیح مسلم	الامام مسلم بن الحجاج القشیری	
۱۳	فتح الباری	الحافظ ابن حجر العسقلانی	دار الحدیث القاہرہ
۱۴	المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے		ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی
۱۵	نقل وزراعۃ الأعضاء الآدمیۃ من منظور إسلامی	الدکتور عبد السلام السکری	الدار المصریۃ، قاہرہ
۱۶	نقل الأعضاء بین الاباحۃ والتحریم	الدکتور عبد العظیم المطعنی	الجمعیۃ الشرعیۃ الرئیسیہ، مصر
۱۷	نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے		اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
۱۸	وجہۃ نظر فی زراعۃ الأعضاء الانسانیۃ	استاذ احمد محمد جمال	
۱۹	المبسوط	شمس الدین السرخسی	